مسلسل اشاعت کا پچیسواں سال

ماھنامہ

معارف رضا

کراچی

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

اسلامی جمہوریہ پاکستان

مسلسل اشاعت کا پچیسواں سال

سلور جوبلی سال

ماہنامہ معارف رضا کراچی

شمارہ نمبر 5 جلد نمبر 25 جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ/ جولائی ۲۰۰۵ء

ہدیہ فی شمارہ:	=/20 روپے
سالانہ:	عام ڈاک سے: -/150
	رجسٹرڈ ڈاک سے: -/300
بیرون ممالک:	-/10 ڈالر سالانہ
لائف ٹائم ممبر شپ:	-/300 ڈالر

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔

زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارف رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔

ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی 74400۔ پوسٹ بکس نمبر 489

فون: 021-2725150 فیکس: 021-2732369

ای۔میل: marifraza_karachi@yahoo.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا)

آئینہ

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے چلے

جناں بنے گی محبانِ چار یار کی قبر
جو اپنے سینہ میں یہ چار باغ لے کے چلے

گئے، زیارتِ در کی، صد آہ واپس آئے
نظر کے اشک پچھے، دل کا داغ لے کے چلے

مدینہ جان جنان و جہاں ہے وہ سن لیں
جنہیں جنونِ جناں سوئے زاغ لے کے چلے

ترے سحابِ سخن سے نہ نم کہ نم سے بھی کم
بلیغ بہر بلاغت بلاغ لے کے چلے

حضورِ طیبہ سے بھی کوئی کام بڑھ کر ہے
کہ جھوٹے حیلۂ مکر و فراغ لے کے چلے

تمہارے وصفِ جمال و کمال میں جبریل
محال ہے کہ مجال و مساغ لے کے چلے

جو دین کووں کو دے بیٹھے ان کو یکساں ہے
کلاغ لے کے چلے یا الاغ لے کے چلے

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

منقبتِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

راجا رشید محمود۔ ایم اے

مِرے قلب ونظر میں ہے عقیدت اعلیٰ حضرت کی — مجھے کافی ہے یارو، ایک نسبت اعلیٰ حضرت کی

ہوئی چشمِ کرم سرکار ﷺ کی احمد رضا خاں پر — زمانے بھر پہ روشن ہے بصیرت اعلیٰ حضرت کی

کوئی سرمایہ دار ان سا نہیں دیکھا زمانے میں — رسولِ پاک ﷺ کی الفت ہے دولت اعلیٰ حضرت کی

وہ عبدِ مصطفیٰ ﷺ ہیں سرورِ کونین کے خادم — محبت مصطفیٰ کی ہے عبادت اعلیٰ حضرت کی

نبی کے دشمنوں کو دشمنی ہے اعلیٰ حضرت سے — مسلمانوں کے دل پر ہے حکومت اعلیٰ حضرت کی

رسولِ پاک ﷺ کی توہین کے جو مرتکب ٹھہرے — نہیں ان کے لئے کوئی رعایت اعلیٰ حضرت کی

حبیبِ ذوالمنن کے مدح خواں احمد رضا خاں ہیں — اسی نسبت سے ہے لاریب جنت اعلیٰ حضرت کی

صفر میں ہوگئے واصل بحق آخر امام اپنے — ہے شوال المکرّم میں ولادت اعلیٰ حضرت کی

مِرے آقا کے ہر عاشق کی نسبت ہے رضا خاں سے — ذرا سوچو تو یہ ہے اِک کرامت اعلیٰ حضرت کی

وہی ہیں رہنما و مقتدا ہر ایک سنّی کے — ہر اک سنّی کے دل میں ہے محبت اعلیٰ حضرت کی

ہمارے واسطے محمود ٹھہری فخر کا باعث
قیادت اعلیٰ حضرت کی، سیادت اعلیٰ حضرت کی

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اپنی بات

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

(۱) پاکستان کی معاشی صورتحال۔ دعویٰ اور حقیقت

قیامِ پاکستان کا مقصد مسلمانوں کی ایک آزاد، ترقی پذیر، اعتدال پسند اسلامی فلاحی مملکت کا قیام تھا۔ پاکستان کی گذشتہ ۵۸ سالہ سیاسی اور اقتصادی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہم نے لاکھوں معصوم جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اور کروڑوں افراد کو خانما برباد کرنے کے بعد یہ مملکتِ خداداد حاصل کی تھی ہم نے اس میں کوئی کامیابی اب تک حاصل کی؟ اس سوال پر اگر ایک عام پاکستانی کا بھی تاثر لیا جائے تو بلا تامل اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ اس لئے کہ مملکتِ پاکستان اسلامی فلاحی مملکت کے معیار اور حقیقت سے کہیں پیچھے ہے اور موجودہ سیاسی اور معاشی صورتحال اور فلاحی مملکت کے تصور میں زمین و آسمان کا بُعد ہے جبکہ سیاسی اور معاشی صورتحال یہ ہے کہ عوامی سطح پر جہالت کا دور دورہ اور تعلیم کا فقدان ہے، بے روزگاری کا فیصد دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے اور ہمارا شمار دنیا کے ان پسماندہ ملکوں میں ہوتا ہے جہاں بے روزگاری سب سے زیادہ اور تعلیم کا فیصد سب سے کم ہے۔ اس پہ المیہ یہ ہے کہ لاقانونیت، بدعملی، فرقہ وارانہ تصادم اور دہشت گردی ملک میں عروج پر ہے۔

۲۰۰۰ء میں حکومتِ وقت نے غربت گھٹاؤ تعلیم بڑھاؤ اسکیم کے اعلان کے ۵ سال گزرنے کے باوجود ان دونوں میدانوں میں کسی قسم کی کوئی بہتری کی صورتحال نظر نہیں آئی۔ اگرچہ حکومتِ وقت کا یہ دعویٰ ہے کہ غربت میں چار فیصد (۴%) کمی آئی ہے اور معاشی ترقی کی شرح میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ ۵ سال میں غریبوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، غربت و مہنگائی بڑھی ہے اور اس سلسلہ میں عوام الناس کے تجربے اور سوچ اور حکومت کے دعوے اور ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار میں بہت زیادہ اختلاف ہے بلکہ انگریزی ضرب المثل کے مطابق اقتصادی حالات کی ابتری کی ہوائیں دن بدن پہاڑی کے نیچے کی طرف جا رہی ہیں ☼ (Rather the Economics Situation is moving down the hill day by day) ☼ اقتصادی ترقی کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایسے تشویشناک حالات میں امید کی ایک کرن ملک کی مجموعی پیداوار (G.D.P) میں متوقع ہدف (۷ فیصد) سے زیادہ کا متوقع اضافہ ہے جس کو سرکاری حلقے موجودہ بجٹ میں ۸ء۵ فیصد قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس سے سر راہ چلتے عام آدمی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس کی زندگی کے گذر بسر میں جب ہی کچھ فرق پڑے گا جب کھانے پینے کی ضروری اشیاء کی قیمتوں اور افادیت عامہ کی خدمات (مثلاً بجلی، پانی، گیس) اسکول، کالج، اور جامعات کی فیس اور ذرائع نقل و حمل وغیرہ کے اخراجات میں اسے سہولیات مہیا کی جائیں، جبکہ افراطِ زر کی اوسط میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے، اس کے بر خلاف الیکٹرسٹی، پٹرول، اور گیس وغیرہ کی قیمتوں میں مختصر مدتوں میں سال بھر کے اندر متعدد بار اضافے کا رجحان تواتر سے جاری ہے۔

مزید برآں یہ کہ افراطِ زر کے متعلق حکومت کی فراہم کردہ شماریات اور ملک کے بازاروں میں قیمتوں کی حقیقی شرح اضافہ میں بہت زیادہ فرق نظر آتا ہے۔ گذشتہ سال کے بجٹ میں افراطِ زر کی شرح پانچ فیصد (۵%) بتائی گئی تھی جبکہ موجودہ مالی سال میں حقیقی شرح ۸ء۸ فیصد رہی ہے۔ گذشتہ ماہ میں یہ شرح ۸ء۶ فیصد تھی۔ اسٹیٹ

بینک کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق حکومت پاکستان کے بیرونی قرضہ جات کا حجم ۳۰ رجون ۲۰۰۴ء تک 33.3.7 Billion$ تھا جبکہ یہ حجم دسمبر ۲۰۰۴ء کے آخر میں 34.828 Billion$ ہو گیا۔ یہ اعداد و شمار خود حکومت وقت کے دعویٰ کے اس کھوکھلے پن کو ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری معیشت خود انحصاری کی راہ پر چل نکلی ہے اور ہم نے بیرونی قرضہ جات دینے والے اداروں سے چھٹکارہ حاصل کرلیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اس وقت ایشیا میں چودھواں سب سے بڑا اور اسلامی ممالک میں پانچواں سب سے بڑا قرضہ لینے والا ملک ہے۔ حکومت وقت کی غربت گھٹاؤ مہم ایک غیر مرتب و منظم اور وہ بھی بے دلی کے ساتھ شروع کئے گئے اقدامات ہیں جس میں ملک میں موجودہ معاشی بدحالی کے حقائق مثلاً افراد و وسائل کا بیکار رہنا اور اس کا صحیح استعمال نہ ہونا اور اعلیٰ اجرت کے روزگار کی شرح میں اضافہ ہے۔

اس وقت ملک کی معاشی صورتحال کے حقائق یہ ہیں کہ ایک طرف تو کچھ لوگ بہت زیادہ امیر ہو رہے ہیں، دوسری طرف غریب، غریب تر ہو رہا ہے۔ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ ان حالات میں اقتصادی ترقی کے بڑھتے ہوئے فوائد اعلیٰ آمدنی والے طبقوں میں محدود اور منقسم ہو کر نچلی آمدنی کے طبقے کو معاشی ترقی کے ثمرات سے مزید محروم کردیں گے۔ ایسی صورت میں اوسط آمدنی والے اور غریب نچلی سطح کے امور خانہ داری والے اقتصادی ترقی سے کس طرح بہرور ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایوانِ سیاست کے اربابِ حل عقد، تاجر، صنعتکار اور ملک کی ایکسچینج مارکیٹ کے فنکار (Manipulators) سکہ سازی (Money Miting) کے نشے کے عادی ہو چکے ہیں اور ان کو راتوں رات امیر بننے اور حلال و حرام ہر طریقے سے دنیا بھر کی آسائش کے حصول کی ہوس پڑ چکی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بولہوسی کے علاج اور ملک عزیز کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کا ایک ہی واحد طریقہ ہے اور وہ ہے رجوع الی اللہ، خوف الٰہی اور رسولِ اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر ایوانِ سیاست کے اربابِ بست و کشاد نظام مصطفیٰ کا نفاذ نہیں کرتے، ہم معیشت کی زبوں حالی میں گرفتار رہیں گے۔

جب ہم معیشت کی ان خامیوں اور خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ہمیں بہلانے کے لئے اقتصادیات کی ٹیکسٹ بک میں درج اصطلاح Vicious Circle (دائرۃ السوء) یعنی بری گردش کا استعمال کر کے ہمیں تسلی دی جاتی ہے کہ ہر ترقی پذیر ملک میں یہ صورتحال پیش آتی ہے اور ہم جیسے ہی اس دائرہ سے باہر نکلیں گے خوشحالی کا دور دورہ ہوگا، اور یہ کہ یہ دائرہ اب ٹوٹنے ہی والا ہے لیکن قرآن مجید فرقانِ حمید نے واضح طور پر اعلان کیا ہے یہ ''بری گردش'' (دائرۃ السوء) ان پر مسلط ہوتی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے باغی ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشادِ باری تعالیٰ:

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (الفتح ۴۸:۶)

ترجمہ: ''اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ پر برا گمان رکھتے ہیں، انہی پر ہے بری گردش اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔''

اس وقت اسلامی دنیا کا المیہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی اسلامی معیشت کے فوائد و ثمرات سے کلی طور نابلد ہے بلکہ اسے تو شاید اسلامی معیشت کا مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ یاد رکھیں ناکارہ اور نااہل افراد سے نہ تو کوئی گھر چل سکتا ہے، نہ کوئی ادارہ اور نہ ہی کوئی ملک۔ جب تک ہم اور ہمارے حکمران اپنی ذاتی اور نجی زندگی میں اسلامی انقلاب نہیں لائیں گے اور خود کو سید عالم ﷺ کی ملکیت اور غلام سمجھ کر ان کے ہر حکم پر بلاچوں و چراں عمل درآمد نہیں کریں گے۔ ملک میں فلاحی مملکت کا خواب ایسا ہی ہے گویا شور یدہ زمین میں گلاب کھلنے کی توقع رکھنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں، ہمارے رہنماؤں اور حکمرانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

(۲) کیا قرآن پاک کی بے حرمتی کے باوجود ملّتِ اسلامیہ بیدار نہیں ہوگی؟؟؟

٭ ہم نے اس موضوع پر اداریہ لکھا تھا لیکن جب ماہر رضویات شرفِ ملت، شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری اطال اللہ عمرۃ وحفظۃ اللہ الباری کا زیر نظر مضمون بذریعہ ای۔میل موصول ہوا تو اس کی جامعیت اور اختصار کے پیشِ نظر مناسب جانا کہ اسی کو اداریہ کا حصہ بنایا جائے۔ ہم ان کے شکریہ کے ساتھ اسے شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر) ٭

سقوط روس کے بعد دنیائے کفر کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے والا دین صرف اسلام ہے، غیر مسلم (یہود، ہنود اور نصاریٰ) متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں، گیارہ ستمبر کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہر حربہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف صرف کیا جارہا ہے، دہشت گردی کے خاتمے کی آڑ میں کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا آغاز کر دیا گیا ہے، تمام ذرائع ابلاغ (اخبارات وجرائد، ٹی وی، انٹرنیٹ) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں، مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے اور اسلام کو دہشت گردی کا دین دکھانے کے لیے تمام زور بیان استعمال کیا جارہا ہے۔

افغانستان پر ہزاروں ٹن بارود برسا کر پورے ملک کو ''تورابورا'' بنا دیا گیا، آج تک نہ تو بن لادن ان کے ہاتھ آ سکا اور نہ ہی ''نائن الیون'' کے حادثے میں اس کا ملوث ہونا ثابت کیا جا سکا۔ سرزمین عراق پر پھر ایک ''کربلا'' بپا ہے اور امریکی نہ صرف عراقی مسلمانوں کو ضروریات زندگی سے محروم کرنے بلکہ ان کا خون پانی کی طرح بہانے میں مصروف ہیں، تاریخ کی کتنی بڑی دہشت گردی ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپانے کے باوجود کسی کے ضمیر پر ندامت کا بوجھ نہیں ہے، ابوغریب جیل میں وحشت و درندگی کے وہ کھیل کھیلے گئے کہ احساس رکھنے والے امریکی بھی تھرا اٹھے، ملت اسلامیہ کی بیٹیوں کی چیخیں عرش کے کنگروں سے ٹکراتی ہیں غیر مسلم وحشی درندوں پر تو کیا اثر ہونا تھا اسلامی ممالک کے سربراہوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور نہ ہی ان کے عیش وعشرت میں کوئی فرق آیا۔

گوانتانا موبے میں نام نہاد تفتیش کے نام پر مسلمانوں کے بچوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی، کنٹینروں میں بند کر کے بے آب وگیاہ تپتے ہوئے صحراؤں میں چھوڑ دیا گیا جہاں وہ چیختے چلاتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ظالموں نے ایسے ایسے ظلم کئے جنہیں اگر چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر کی روح بھی دیکھ لیتی تو وہ بھی تھرا اٹھتی دنیا میں ایک ارب سے زیادہ موجود مسلمانوں نے یہ حالات سنے اور اکثریت نے اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دی حالانکہ امت مسلمہ ایک جسم کی حیثیت رکھتی ہے کوئی ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ظالموں نے مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرا حربہ آزمانا شروع کیا ہوا ہے، ابھی حال ہی میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ عراق میں ساڑھے تین سو سائنس دان اور دو سو پروفیسر شہید کئے جاچکے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ اس تمام صورت حال کی بنا پر عامۃ المسلمین ناقابل برداشت دکھ درد میں مبتلا تھے، لیکن قرآن پاک کی بے حرمتی کی خبر تو ان پر بجلی بن کر گری، اس خبر نے ان کی زندگی کو جہنم بنا دیا اور انہیں خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ یہ لوگ اخلاق، شرافت اور انسانیت سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ ان کے ذمہ داروں کو اتنی بھی توفیق نہیں کہ دنیائے اسلام کے زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کے لئے معذرت کے دو جملے ہی کہہ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے خلاف قرار دادیں پاس کرنے، ان سے مطالبے کرنے اور احتجاج کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات، اس گھمبیر صورت حال کا واحد علاج یہ ہے کہ یورپین ممالک کی طرح پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک متحد ہو جائیں اور ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں۔

معروضی حالات میں تو حضرت عبدالمطلب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہی دعا کی جاسکتی ہے:

اے خالق ومالک! اے جبار وقہار! تیری زندہ جاوید، سب سے مقدس اور سب سے آخری کتاب، رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کی عزت وحرمت کا معاملہ ہے، ہم دنیا بھر کے مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکے، ہم نالائق ہیں، ہم شرمسار ہیں تو اس کتاب مبین کی توہین کرنے والوں پر قہر وغضب کی بجلیاں گرا، ان پر ابابیل بھیج، ''ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف مأکول''۔

اے اللہ! ہمیں غیرت ایمانی عطا فرما، ہمارے دلوں کو جرأت خالد عطا فرما، ہمارے بازوؤں کو قوت حیدری عطا فرما۔

اے خالق ومالک! ہم میں کوئی صلاح الدین ایوبی پیدا فرما، ہم میں کوئی الملک الظاہر بیبرس پیدا فرما اور ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف فرما اور اپنے حبیب ﷺ کے سامنے روز حشر شرمندہ ہونے سے بچا۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ

معارف قرآن
من افاضاتِ امام احمد رضا

تمہارا رب جل جلالہٗ فرماتا ہے

مرتبہ: علامہ محمد حنیف خاں رضوی*

گزشتہ سے پیوستہ

ترجمہ: ''کہ ہم حضور پرنور سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد ﷺ! ہم سب لوگ ایک ہی اصل اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جو مصیبت ہم پر آپڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا ہم پر نظرِ کرم فرمائیں، اللہ رب العزت نے آپ پر کرم فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرو، یا تو اپنا مال و دولت لے جاؤ یا اپنی عورتوں اور بچوں کو آزاد کراؤ۔ عرض کیا: آپ نے ہمیں دونوں میں سے ایک اختیار دیا ہے تو ہمارا فیصلہ کہ ہمیں عورتیں اور بچے دیدیئے جائیں۔

حضور سرورکونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: مالِ غنیمت میں جتنا میرا اور حضرت عبدالمطلب کی اولاد کا حصہ ہے وہ سب میں تم کو دیتا ہوں، لیکن جب میں ظہر کی نماز سے فارغ ہو جاؤں تو تم سب یوں کہنا: ہم سب رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں۔ راوی فرماتے ہیں: جب لوگ نماز پڑھ چکے تو سب نے ایسا ہی کہا، حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ میرا اور عبدالمطلب کا اولاد کا حصہ ہے وہ سب تمہارے لئے ہے، یہ سن کر مہاجرین نے عرض کیا: جو کچھ ہمارا حصہ ہے وہ حضور اقدس ﷺ کے لئے، پھر انصار نے بھی یہی کہا، اقرع بن حابس نے کہا: میں اور بنوتمیم اس میں شریک نہیں، عیینہ بن حصین نے بھی اسی طرح کہا کہ میں اور بنو فزارہ بھی اس میں شامل نہیں ہیں، یوں ہی عباس بن مرداس نے کہا: میں اور بنوسلیم اس میں شریک نہیں، اس پر بنوسلیم نے اسے جھٹلایا اور کہا تو نے جھوٹ بولا، ہمارا جو کچھ بھی ہے سب حضور نبی کریم ﷺ کے لئے ہے۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! ان کی عورتیں اور بچے واپس کردو اور جو کوئی مفت نہ دینا چاہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب جہاں بھی مالِ غنیمت ملے گا تو سب سے پہلے اس کو چھ اونٹ دوں گا۔

یہ ارشاد فرما کر حضور اونٹ پر سوار ہو گئے، لیکن لوگ مالِ غنیمت کی تقسیم کے لئے پیچھے پیچھے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہمارا مال ہمیں عنایت کردیجئے یہاں تک کہ ایک درخت کے پاس آپ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے، وہاں آپ کی ردائے مبارک ایک درخت سے الجھ کر آپ سے جدا ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! میری چادر مجھے اٹھادو، خدا کی قسم! اگر تہامہ کے درختوں کے برابر جانور بھی میرے پاس ہوں تو میں انہیں تقسیم کردوں، پھر تم مجھے بخیل اور بزدل نہ پاؤ گے اور نہ جھوٹا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ ایک اونٹ کے پاس تشریف لائے اور آپ نے اپنی چٹکی سے اس کے بال پکڑ لئے اور فرمایا: سنو! میں تمہاری اس غنیمت سے کچھ بھی نہیں لیتا، صرف پانچواں حصہ لیتا ہوں جو بعد میں تمہارے لئے ہی کام آتا ہے، یہ سن کر ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکھڑا ہوا، اس کے پاس بالوں کا ایک گچھا تھا، عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے یہ چیز اس لئے لی ہے کہ اس سے میں اپنے اونٹ کی کملی درست کروں، آپ نے ارشاد فرمایا: جو چیز میرے لئے ہے اور حضرت عبدالمطلب کی اولاد کے لئے وہ سب تیری ہے، اس شخص نے کہا: جب معاملہ یہاں تک پہونچ گیا ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور وہ بالوں کا گچھا پھینک دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضور پرنور ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سوئی اور دھاگے تک کو اس مالِ خیر میں داخل کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت لوگوں کے لئے قیامت کے روز باعث ننگ و عار ہوگی''۔ ۱۲م

* محقق رضویات و پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

حدیث فرماتی ہے کہ سید عالم ﷺ نے بنفسِ نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا، نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں۔

وہابی صاحبو! ایاک نعبد و ایاک نستعین کے معنی استعانت تو خدا ہی کے ساتھ خاص تھی، یہ ارشاد کیسا؟ کہ ہم سے استعانت کرنا۔ اور زمانِ حیاتِ دنیاوی اور اس کے بعد کا تفرقہ وہابیہ کی جہالت ہی نہیں بلکہ سراسر ضلالت ہے۔ قطع نظر اس بات سے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں، جو بات خدا کے لئے خاص ہو چکی، غیر خدا کے لئے شرک ٹھہر چکی اس میں حیات و موت، قرب و بعد اور ملکیت و بشریت خواہ کسی وجہ کا تفرقہ کیسا؟ کیا بعدِ موت ہی شرکت خدا کی صلاحیت نہیں رہتی بحالِ حیات شریک ہو سکتے ہیں؟ یہ جنون وہابیہ کو ہر جگہ جاگتا ہے جس نے انہیں حمایتِ توحید کے زعم میں الٹا مشرک بنا دیا ہے۔

ایک بات کو کہیں گے شرک ہے، پھر کبھی موت و حیات کا فرق کریں گے اور کبھی قرب و بعد کا اور کبھی کسی اور وجہ کا، جس کا صاف حاصل یہ نکلے گا کہ یہ انوکھے موحد بعض قسم مخلوق کو خدا کا شریک جانتے ہیں جب تو وہ بات کہ غیر کے لئے اس کا اثبات شرک تھا ان کے لئے ثابت مانتے ہیں۔

اب کھلا کہ ان کے امام نے تقویۃ الایمان میں ان وہابی صاحبوں کی نسبت کہا تھا: اکثر لوگ شرک میں گرفتار ہیں اور دعوی مسلمانی کا کئے جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ! سچ فرمایا '' اللہ صاحب نے کہ نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر شرک کرتے ہیں''۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ ان کی بہت فاحشہ جہالتوں کی پردہ دری کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔
(الامن والعلیٰ۔ ص: ۱۴۰)

شریعت تمام احکامِ جسم و جان، روح و قلب اور جملہ علومِ الٰہیہ و معارفِ نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے۔ لہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول۔ تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے۔ شریعت ہی محک و معیار ہے۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کا ترجمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ، یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔ یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات و استقامت کی دعا ہر مسلمان پر واجب فرمائی ہے کہ: '' اهدنا الصراط المستقيم '' ہم کو محمد ﷺ کی راہ چلا۔ ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

^^

امام احمد رضا ویب سائٹ کا قیام

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی اپنے قیام کے اول دن سے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لئے کوشاں ہے اور علم نافع و تحقیق کے فائدے اور صدائے حق و صداقت خواص و عوام تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن وسائل کو استعمال کر رہا ہے۔ ماہنامہ معارفِ رضا کا اجراء (۲۰۰۰ء) اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

دورِ حاضرہ کی ترجیحات کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارہ ہذا نے کچھ اہم اقدام اٹھائے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا جدید ترین طریقہ انٹرنیٹ ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی چیزیں اور ہر قسم کی معلومات بڑی بڑی لائبریریوں سے سمٹ کر انٹرنیٹ کی چھوٹی سی اسکرین میں سمائی ہیں۔ انٹرنیٹ کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے اپنی ویب سائٹ بھی طالبانِ حق و صداقت اور تشنگانِ علمِ نورانی کے لئے کھول دی ہے۔

ماہنامہ معارفِ رضا کا تازہ ترین شمارہ، کئی اہم کتب، پی ایچ ڈی سطح کی جدید علمی تحقیقات مختلف رسائل سمیت کئی نئی اور اہم فتوحات آپ کے ملاحظہ کی منتظر ہیں۔

آج ہی وزٹ کیجئے: www.imamahmadraza.net

ہمیں آپ کی تجاویز کا انتظار رہے گا۔

۵۔ بدعات

معارف حدیث من افاضاتِ امام احمد رضا

مرتبہ: علامہ محمد حنیف خاں رضوی*

(۵) بدعتی کی تعظیم حرام ہے

۷۱ عن عبد الله بن بسر رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ وقّر صاحبَ بدعةٍ أعانَ على هَدمِ الاسلام

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے اسلام کوڈھادینے میں مدد کی۔ فتاوی رضویہ۔۶/۱۰

۷۲ عن معاذ بن جبل رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ مشی الی صاحبِ بدعةٍ لِيُوَقِّرَهُ فقد اعانَ علی هدمِ الاسلامِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوکسی بدمذہب کی طرف اس کی توقیر کرنے کو چلے اس نے اسلام کے ڈھانے میں اعانت کی۔ فتاوی رضویہ ۶/۱۰۴

وفی الباب عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالی عنها و عن ابراهیم بن میسرة رضی الله تعالی عنه مرسلا

(۶) بدعتی جہنمی کتے ہیں

۷۳ عن أبی أمامة الباهلی رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله تعالی علیه وسلم: أهلُ البِدعِ كِلَابُ أهلِ النّارِ

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: گمراہ لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔فتاوی رضویہ ۵/۲۲۹

(۷) بدعتی بدترین مخلوق ہیں

۷۴ عن أنس بن مالك رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: أهلُ البِدعِ شرُّ الخَلقِ وَالخَلِيقَةِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: بدمذہب تمام لوگوں اور تمام جانوروں سے بدتر ہیں۔ فتاوی رضویہ ۵/۱۲۹

(۸) گمراہ و بدعتی کی عیادت نہ کرو

۷۵ عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالی عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: لِكُلِّ أُمَّةٍ مَجُوسٌ، وَ مَجُوسُ أُمَّتِي الَّذِينَ يَقُولُونَ: لَا قَدَرَ، إِنَّ مَرِضُوا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَإِن مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ اظہارالحق الجلی۔ ص:۱۸

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ہرامت میں کچھ مجوسی ہوتے ہیں اور میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر۔ اگر بیمار پڑیں تو انہیں پوچھنے نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ۔ ۱۲م

(۹) گمراہ اور بدعتی سے قطع تعلق کرو

۷۶ عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه عن النبی ﷺ قال: لَا تُجَالِسُوْا أَهلَ القَدرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ

امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: تقدیر کے منکرین کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے کلام کرو۔ اظہارالحق الجلی۔ ص:۱۸

(۱۰) گمراہ اور گمراہ گر کی مجلس سے بچو

۷۷ عن عمران بن حصین رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ، فَوَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسَبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهُ فَمَا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ

* محقق رضویات و پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو دجال کی خبر سنے اس پر واجب ہے کہ اس سے دور بھاگے کہ خدا کی قسم! آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں (یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہونچے گا) وہاں اس کے دھوکوں میں پڑ کر اس کا پیرو ہو جائے گا۔

۲ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

کیا دجال اسی ایک دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے؟ حاشا! تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دور بھاگنے کا حکم فرمایا اور اس میں یہی اندیشہ بتایا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جدید ۷۸۲/۱

۷۸ عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: يَكُونُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَالَا تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخر زمانے میں جھوٹے فریبی لوگ پیدا ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے، تو ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

فتاویٰ رضویہ جدید ۷۸۲/۱

حوالہ جات

۷۱ كنزالعمال للمتقی، ۱۱۲، ۲۱۹/۱
☆ اللآلی المصنوعة للسيوطی، ۱۳۰/۱
☆ التفسير للقرطبی، ۱۳/۷
☆ الجامع الصغير لسيوطی، ۵۴۵/۲
☆ حلية الاولياء، لابی نعيم، ۲۱۸/۵
☆ الفوائد الجموعة للشوكانی، ۲۱۱

۷۲ المعجم الكبير للطبرانی، ۹٦/۲
☆ كنز العمال للمتقی، ۱۱۲۳، ۲۲۲/۱
☆ مجمع الزوائد للهثيمی، ۱۸۸/۱
☆ حلية الاولياء لابی نعيم، ۹۷/٦
☆ اللآلی الصنوعة للسيوطی، ۱۳۱/۱
۷۳ كنر العمال للمتقی، ۱۰۹۵، ۲۲۳/۱
☆ العلل المتناهية لابن الجوزی، ۱٦۳/۱
۷٤ حلية الاولياء لابی نعيم، ۲۹۱/۸
☆ تاريخ اصفهان لابی نعيم، ۹۰/۲
☆ كنزالعمال للمتقی، ۱۰۹۵، ۲۱۸/۱
☆ ميزان الاعتدال، ۱۳۰
۷۵ المسند لاحمد بن حنبل، ۸٦/۲
☆ كنز العمال للمتقی، ۵۵۵، ۱۱۸/۱
۷٦ السنن لابی داؤد، السنة، ٦٤۹/۲
☆ المسند لاحمد بن حنبل، ۳۰/۱
☆ المستدرك للحاكم، ۸۵/۱
☆ كنز العمال للمتقی، ۵٦٤، ۱۱۹/۱
☆ العلل المتناهية لابن الجوزی، ۱٤۱/۱
☆ موارد الظمئان، للهيثمی، ۱۸۲۵
۷۷ السنن لابی داؤد، الملاحم، ۵۹۳/۲
☆ المسند لاحمد بن حنبل، ٤۳۱/٤
☆ المستدرك للحاكم، ۵۳۱/٤
☆ الكنی والاسماء للدولابی، ۱۷۰/۱
۷۸ الصحيح لمسلم، المقدمة، ۱۰/۱
☆ كنز العمال للمتقی، ۲٤، ۲۹، ۱۹۳/۱۰
☆ مشكل الآثار للطحاوی، ۲۰٤/٤
☆ مشكوة المصابيح، ۱۵٤

موانعِ اجابت

معارف القلوب
(گزشتہ سے پیوستہ)

مصنف: رئیس المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ الرحمن
شارح: امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان
محشی: مولانا عبدالمصطفیٰ رضا عطاری*

سبب ۱۲ تا ۱۴: اسی غمز العیون میں کتاب الحاضرات ابویحییٰ ذکریا مراغی سے نقل کیا۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چھ شخصوں کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ تین تو یہی پچھلے ذکر فرمائے اور ایک وہ جو اپنے گھر میں منہ پھیلائے بیٹھا رہے کہ اے میرے رب! مجھے روزی دے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: کیا میں نے تجھے رزق ڈھونڈنے کا حکم نہ دیا؟ تو نے میرا ارشاد نہ سنا؟

فَانتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۲۲۰)

''پھیل جاؤ زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔''

دوسرا وہ جس نے اپنا مال فضول خرچیوں میں کھو دیا۔ اب کہتا ہے اے رب! مجھے اور دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میں نے تجھے میانہ روی کا حکم نہ دیا تھا؟ کیا تو نے میرا ارشاد نہ سنا تھا؟

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۲۲۱)

تیسرا وہ کہ ایسے لوگوں میں مقیم رہے جو اسے ایذا دیتے ہیں اور دعا کرے، اے رب میرے! مجھے ان کے شر سے کفایت کر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میں نے تجھے ہجرت کا حکم نہ دیا؟ کیا میرا ارشاد نہ سنا؟

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا (۲۲۲)

یہ تقریر بھی بحمد اللہ اُس معنیٰ فقیر کی مؤید ہے۔

اقول...... اس تقریر پر اور بہت لوگ ایسے نکل سکتے ہیں جو خود کردہ علاج ڈھونڈتے ہوں۔ مثلاً جو بغیر کیس سخت مجبوری کے رات کو ایسے وقت گھر سے باہر نکلے کہ لوگ سو گئے ہوں، پاؤں کی پاچل راستوں سے موقوف ہوگئی ہو۔ صحیح حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی کہ اس وقت بلائیں منتشر ہوتی ہیں یا رات کو دروازہ کھلا چھوڑ دے یا بغیر بسم اللہ کہے بند کرے کہ شیطان اسے کھول سکتا ہے اور جب بسم اللہ کہہ کر دہنا پاؤں مکان میں رکھے تو شیطان، کہ ساتھ آیا تھا باہر رہ جاتا ہے اور جب بسم اللہ کہہ کر دروازہ بند کرے تو اس کے کھولنے پر قدرت نہیں پاتا یا کھانے، پانی کے برتن بسم اللہ کہہ کر نہ ڈھانکے، کہ بلائیں اترتی اور خراب کردیتی ہیں۔ پھر وہ طعام و شراب بیماریاں لاتے ہیں۔ (۲۲۳) یا بچے کو مغرب کے وقت گھر سے باہر نکالے کہ اس وقت شیاطین منتشر ہوتے ہیں یا کھانے سے بے ہاتھ دھوئے سو رہے کہ شیطان چاٹتا اور معاذ اللہ برص کا باعث ہوتا ہے یا غسل خانے میں پیشاب کرے کہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے یا چھجے کے قریب سوئے اور چھت پر روک نہ ہو کہ گر پڑنے کا احتمال ہے یا عورت سے ہمبستری کے وقت بسم اللہ نہ کہے (۲۲۴) کہ شیطان شریک ہوجاتا اور اپنا عضو اس کے عضو کے ساتھ داخل کرتا ہے جس کے باعث بچہ انسان و شیطان دونوں کے نطفے سے بنتا اور پھر بُرا تخم بُرا ہی پھل لاتا ہے یا کھانا بغیر بسم اللہ کے کھائے (۲۲۵) کہ شیطان ساتھ کھاتا اور جو طعام چند مسلمانوں کو بس کرتا، ایک ہی کے کھانے میں فنا ہوجاتا ہے یا زمین کے سوراخوں میں پیشاب کرے کہ کبھی سانپ وغیرہ جانوروں کا گھر یا جن کا مکان ہوتا اور انسان ایذا پاتا ہے یا اپنی، خواہ اپنے دوست کی کوئی چیز پسند آئے تو اس پر دفع نظر کی دعا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَیْهِ وَلَا تَضُرُّهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (۲۲۶) نہ پڑھے، کہ نظر حق ہے، مرد کو قبر اور اونٹ کو دیگ میں داخل کردیتی ہے یا تنہا سفر کرے کہ فُساقِ انس و جن سے مضرت پہنچتی ہے (۲۲۷) اور ہر کام میں دقت پڑتی ہے یا ہنگامِ جماع، شرمگاہِ زن کی طرف نظر کرے کہ معاذ اللہ اپنے یا بچے یا دل کے اندھے ہونے کا باعث ہے یا اس وقت باتیں کرے کہ بچے کے گونگے ہونے کا احتمال ہے یا کھڑے کھڑے پانی پیا کرے کہ درد جگر کا مورث ہے یا پاخانے میں بغیر بسم اللہ کہے جائے کہ خبائث (۲۲۸) سے مضرت کا اندیشہ ہے یا فاسقوں، فاجروں، بد وضعوں، بدمذہبوں کے پاس نشست برخاست کرے کہ اگر بالفرض صحبت بد کے اثر سے بچا تو متہم ضرور ہوجائے گا (۲۲۹) یا لوگوں کے راستوں میں خواہ ان کی نشست برخاست کی جگہ پاخانہ پیشاب کرے کہ آپ ہی گالیاں کھائے گا یا سفر سے پلٹ

*استاذ جامعہ مدینۃ العلمیہ، گلستانِ جوہر، کراچی

کر بغیر اطلاع کئے رات کو اپنے گھر چلا آئے کہ مکروہ دیکھنے کا احتمال ہے (۲۳۰)۔ یہ سب امور حدیثوں میں ماثور اور اسی قسم کے اور صدہا آداب احادیث میں مذکور اور کتبِ ائمہ و علماء میں مسطور (۲۳۱) جن کی شرح کے لئے مجلدات بھی کافی نہیں۔ بر بنائے تقریر مذکور ان سب صورتوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان خاص مادوں میں ان لوگوں کی دعا قبول نہ ہوگی کہ انہوں نے خود خلافِ حکمِ شرع کر کے مواقع مضرّت میں قدم رکھا اور خادمِ حدیث جانتا ہے کہ اکثر حدیث میں بعض باتوں کا تذکرہ اور ان کے ذکر سے ان کے ہزار امثال کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ هذا ما عندي والله تعالیٰ اعلم

سبب ۱۵: امر بالمعروف ونهي عن المنكر نہ کرنا۔ (۲۳۲)

یعنی کسی جماعت میں کچھ لوگ اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتے ہوں، دوسرے خاموش رہیں اور حتی المقدور انہیں باز نہ رکھیں، منع نہ کریں کہ ہر ایک کے اعمال اس کے ساتھ ہیں، ہمیں روکنے، منع کرنے سے کیا غرض، تو جو بلا آئے گی اس میں نیکیوں کی دعا بھی نہ سنی جائے گی کہ یہ خود نہی و امر چھوڑ کر تارکِ فرائض تھے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''یا تو تم اَمر بِالْمَعْرُوفِ وَنَهِي عَنِ الْمُنكَرِ کروگے یا اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدوں کو مسلط کردے گا، پھر تمہارے نیک دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔''

اخرجه البزار والطبراني في الاوسط عن ابي هريرة رضي الله عنه بسند حسن.

تنبیہ: اقول..... کسی صورت میں دعا قبول نہ ہونا یقینی قطعی نہیں۔ نہ اس سے یہ مراد کہ ایسی حالتوں میں دعا کو محض فضول و نامقبول جان کر باز رہیں۔ حاشا دعا سلاحِ ایمان ہے (۲۳۳)۔ دعا جالبِ امن و امان ہے (۲۳۴)۔ دعا نورِ زمین و آسمان ہے۔ دعا باعثِ رضائے رحمٰن ہے بلکہ مقصود ان امور سے روکنا ہے کہ یہ دعا و اجابت میں حجاب اور اثر کے لئے سدِ باب ہوتے ہیں تو ان سے بچنا لازم اور جس سے واقع ہو لئے، اگر ہنوز موجود ہیں تو ان کا ازالہ ضرور (۲۳۵)۔ جیسے مالِ حرام کہ جس سے لیا ہے، واپس دے۔ وہ نہ رہا، اس کے وارث کو دے یا ان سے معاف کرائے۔ کوئی نہ ملے تو صدقہ دے اور جو گزر چکے تو بہ و استغفار اور آئندہ کے لئے ترکِ اصرار کا عزمِ صحیح کرے۔ اس کی برکت ان کی نحوست کو زائل کردے گی (۲۳۶) اور دعا باذنہ تعالیٰ اپنا اثر دے گی۔ وبالله التوفيق

حواشی

(۲۲۰) سورۃ الجمعہ آیت ۱۰۔

(۲۲۱) اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں، نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ سورۃ الفرقان۔ آیت ۶۷، ترجمہ کنز الایمان

(۲۲۲) کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ سورۃ النساء، آیت: ۹۷، ترجمۂ کنز الایمان

(۲۲۳) شراب سے مراد یہاں پی جانے والی اشیاء ہیں۔

(۲۲۴) ہمبستری کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ ستر کھولنے سے پہلے ہی پڑھ لے کہ کھلے ستر پڑھنا جائز نہیں۔ یہی احتیاط استنجاء خانہ جاتے وقت بھی ملحوظ رکھیں کہ استنجاء خانے سے باہر ہی بسم اللہ شریف اور دعا پڑھ لی جائے۔

(۲۲۵) حدیث پاک میں وارد کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اگر بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو یوں کہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ'' اللہ کے نام سے کھانے کی ابتداء اور انتہا۔

(۲۲۶) اے اللہ عزوجل! اس پر برکت نازل فرما اور اسے ضرر نہ پہنچا، جو کچھ اللہ عزوجل نے چاہا سو ہی تو ہوا، اللہ عزوجل کی تائید کے بغیر نیکی پر کچھ قدرت نہیں۔

(۲۲۷) یعنی نقصان پہنچتا ہے۔

(۲۲۸) یعنی خبیث جنات وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

(۲۲۹) یعنی اگر بُروں کی صحبت میں بیٹھ کر خود ان کی برائی میں شریک نہ بھی ہو تب بھی تہمت زدہ ضرور ہوگا کہ یہ بھی انہی جیسا ہے۔ نیز حدیث پاک میں تہمت کی جگہ سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۲۳۰) یعنی ہو سکتا ہے کہ اس کے گھر والے ایسی حالت میں ہوں کہ اسے ناپسند ہے اور انہیں ایسی حالت میں دیکھ کر اسے دکھ و تکلیف پہونچے۔

(۲۳۱) یعنی کتبِ علماء میں لکھا ہوا ہے۔

(۲۳۲) یعنی نیکی کا حکم نہ کرنا اور برائی سے نہ روکنا۔

(۲۳۳) یعنی دعا اہلِ ایمان کا ہتھیار ہے۔

(۲۳۴) یعنی دعا امن و امان کا باعث ہے۔

(۲۳۵) یعنی اگر ابھی تک اپنے میں ایسے اسباب پاتا ہے جو دعا کی قبولیت میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تو ان اسباب کو دور کر لیا جائے۔

(۲۳۶) یعنی توبہ و استغفار کی برکت ان گناہوں کی نحوست کو زائل کردے گی۔

معارفِ اسلاف

ماجرا ایک مبہم شعر کا

مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی*

ہزار بار بشویم دہن مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

عشق وعقیدت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر بھی آدابِ شریعت اور احتیاط ادب ملحوظ رکھنا بڑی کشادہ ظرفی کی بات ہے، کم ہی نعت گویوں کو اس صنف سے بہرہ وری ملی ہے۔ ع

درجنوں از خود رفتن کار ہر دیوانہ نیست

تمام اصنافِ سخن میں نعت مشکل ترین صنف سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہی وہ فن ہے جس میں احساسات و خیالات کا افراط وتفریط سے پاک ہونا ضروری اور احتیاط و اعتدال شرط ہے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ کی محبت میں والہ وشیفتہ ہوکر زبان اس درجہ نہ پہنچ جائے کہ توحید و رسالت اور بشریت واحدیت میں فاصلہ ہی باقی نہ رہے۔ پاسِ ادب کا ایک مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ منصبِ رسالت کو عمومی بشریت سے جدا سمجھا جائے۔ خالقِ کائنات کی حمد وثنا کی تو کوئی حد ہی نہیں مگر نعت گوئی یعنی سرورِ کائنات ﷺ کی مدح سرائی میں قدم قدم پر احتیاط شرط ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی آدابِ نعت سکھاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ نعت شریف لکھنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے کیوں کہ شاعر اگر نعت میں بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ میں تو اصلاً حد نہیں، راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھتا چلا جائے مگر نعت میں دونوں جانب حد بندی ہے۔

حضرت آسی سکندر پوری ثم غازی پوری کی نعتیہ شاعری میں ان مذکورہ التزامات کا شعور صاف نظر آتا ہے اور آپ نے نعت مقدس کے شرعی حدود و قیود کا ہر ممکن پاس کیا ہے۔ یہ اعجازِ تربیت ہے اور ایک ایسے علمی گھرانے کی پرورش کا کمال جہاں دین ضمیر میں خمیر کر دیا جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا پوری ذمہ داری سے کہا اور دین و شرع کی روشنی میں کہا۔ حضرت آسی کے ہاں شرابِ عشق کی مستی موجود لیکن بدمستی معدوم ہے۔ انہوں نے ادب اور احتیاط کا دامن کسی مقام پر نہیں چھوڑا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسے حضرت آسی کے بے لوث عشقِ رسول ﷺ کا نتیجہ ہی کہا جائے گا کہ آپ کے مندرجہ ذیل شعر پر جب کچھ ظاہر بین نگاہوں اور عیب جو طبیعتوں نے رکیک حملے کرنا اور شرعی وفنی سقم نکالنا شروع کیا تو خدا معلوم ہند و پاک کے کتنے اربابِ قلم کی غیرتِ تحریر ان کے لئے تازیانہ بن گئی اور شرعی، فنی، شعری اور فکری ہر اعتبار سے اس شعر کو بے غبار بتایا گیا۔ شعر یہ ہے ۔

وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

اس شعر کے ظاہری معنی یقیناً قاری کو تردد وتذبذب میں مبتلا کر دیتے ہیں مگر اس کا اصل معنی وہ نہیں جو عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے خدا مستوی علی العرش ہی ہے، نزول اجلال اس نے نہیں فرمایا، البتہ اس نے اپنے ہی نور سے ایک وجود خلق کیا جسے ہم حقیقتِ محمدیہ یا ذاتِ مصطفوی ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی وجود بنامِ مصطفیٰ خدا کی صناعی کا بے مثل نمونہ بلکہ اس کی صنعتِ تخلیق کا شاہکار بن کر بشری پیکر میں مدینہ آگیا ہے۔

پہلے آپ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ حضرت آسی کے کلام کا درجہ اتنا اونچا ہے کہ عام آدمی کے فہم سے بالاتر ہے۔ اس موقع سے پروفیسر سید اقبال جونپوری نے بڑے پتے کی بات لکھ دی ہے۔ فرماتے ہیں: سرکارِ دوعالم ﷺ کے مقام و مراتب بلا شبہ انسان کی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ حضرت آسی نے اس شعر (مذکورہ) میں اسرار

*استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

سے پردہ اٹھاتے ہوئے آپ کے مقام و مرتبہ کی ایک جھلک دکھائی ہے۔
(تاریخ سلاطینِ شرقی۔ ص:۵۹۷)

دور کیوں جایئے حضرت آسی نے اس شعر کے متعلق خود ہی فرمادیا تھا کہ اس پر کم سمجھ لوگ شرک اور کفر کا فتویٰ بھی ممکن ہے، دے دیں۔ آخر کار ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ معرفت نا آشنا حضرات جی جان سے اور اہتمام تمام سے اس شعر کے پیچھے پڑ گئے۔ حضرت سید شاہد علی سبز پوش علیہ الرحمہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت کا ایک مطلع ہے جس پر کم علم مولویوں نے کفر اور شرک کا فتویٰ دینے سے دریغ نہیں کیا، حضرت نے جب یہ غزل کہی تھی، میں خدمت میں حاضر تھا، مطلع یہ ہے:

وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

حضرت نے جس وقت یہ مطلع فرمادیا تو میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ میاں شاہد! جہلا اس شعر پر اعتراض کریں گے مگر ان کے اعتراض کا جواب مصرعِ اولیٰ میں موجود ہے یعنی وہ اب بھی مستوی علی العرش ہے۔ افسوس کہ اگر معترضین حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی ''فصوص الحکم''[۱] وغیرہ دیکھے ہوتے تو اس گستاخی کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر مصرع اولیٰ میں ''وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہوکر'' ہوتا تو البتہ ان کا اعتراض خدا کے مجسم ہونے کا صحیح ہوتا وہ تو اب بھی مستویِ علی العرش ہے مدینہ میں اترنا بطور نزولِ صفات کے ہے جیسے آفتاب آئینہ میں اترتا ہے۔ الآن کما کان'' (عین المعارف، دیوانِ آسی۔ ص:۵۔۷۶، کراچی)

اس شعر پر اعتراض کرنے والے معمولی لوگ نہیں، شاہ معین الدین ندوی اور ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری جیسے ادبا اس کے متعلق معترض ہوئے ہیں اور اسے شرک و کفر پر محمول کیا ہے اور ظہیر غازی پوری نے شرح و بسط کے ساتھ اس پر بحث کی ہے اور بعض کور بین تو اس شعر کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا شعر بتاتے ہیں جو سراسر کذب اور خلافِ واقعہ ہے۔ آیئے ان دانشورانِ قوم کے اعتراضات و خیالات کا دیدہ و دانستہ جائزہ لیتے چلیں:

شاہ معین الدین ندوی نے ''ارمغانِ حرم'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

''اس (نعت گوئی) کی راہ میں سب سے بڑی لغزش الوہیت و نبوت کی حدود کو سمجھنے میں ہوتی ہے، اکثر شعراء نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں، مثلاً۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر : اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

نعت کا بڑا مشہور و مقبول شعر سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ شعر نہ صرف توحید کے سراسر منافی ہے بلکہ نبوت کی حقیقت کے خلاف ہے۔ ایک طرف یہ افراطِ غلو ہے اور دوسری طرف یہ تفریط و سوءِ ادب۔'' (گلدستہ نعت و منقبت۔ ص:۳۴، لکھنؤ)

ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری اعتراض کا خمار یوں نکالتے ہیں:

''اردو کے نعت گو شعرا اسی عقیدے (یعنی رام اور کرشن کی بابت ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ انسان کی شکل میں معبود تھے) سے متاثر ہوکر کس قدر گستاخانہ انداز میں گرم سخن ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر : اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

(نعت رنگ، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء۔ ص:۱۱۵۔ کراچی)

ظہیر غازی پوری، ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کے خیالات کی تردید میں سرگرم تحریر ہیں جو اسی مذکورہ شعر سے متعلق تھے:

''میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بزرگی اور شاعری دو الگ چیزیں ہیں، شعری، فنی اور فکری التزامات پر بات ہو تو بزرگی کو کبھی ڈھال بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ زیرِ بحث شعر کے مصرعِ اولیٰ میں لفظ ''وہی'' ''مستویِ عرش'' اور ''ہوکر'' قابلِ غور ہیں...... وہی اتر پڑا ہے کے معنی قطعی طور

---

[۱] حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اپنی مشہور کتاب ''فصوص الحکم'' میں رقم فرماتے ہیں: التجلی من الذات لایکون الا بصورۃ المتجلّی له۔ یعنی ذات کی تجلی اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس پر اس کی تجلی ہوتی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر دوم۔ ص:۵۸۰)
اس قول کے پیشِ نظر بھی دیکھا جائے تو بات واضح ہے کہ حضرت آسی کے مصرع ثانیہ میں ''مصطفیٰ ہوکر'' کا لفظ انحائے تجلی کی ایک مخصوص صورت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ ۱۲ منہ

پر یہ نہیں لئے جاسکتے کہ مدینہ اتر نا نزولِ صفات کے اعتبار سے ہے یا انوار وتجلیات کے اعتبار سے ہے جو آئینہ میں منعکس ہوجاتا ہے...... اتر پڑنا کے معنی کسی اونچی جگہ سے (دفعتہً) آجانے کے ہیں، یہ عمل ہمیشہ مجسم ہوتا ہے۔''

پھر اخیر میں لکھتے ہیں:

''میں ایک ادنیٰ گنہگارِ ادب ہوں، حضرت آسی جیسی برگزیدہ ہستی کے فکر وخیال کو حیطۂ اعتراض میں لانے کے بجائے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ان کا شعر ''المعنی فی بطن الشاعر'' کے مصداق ہے۔''

(نعت رنگ، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳۸۔۱۳۹۔ کراچی)

شاہ معین الدین صاحب ندوی ہوں یا ڈاکٹر اسماعیل آزاد جیسے روشن خیال دانشور، ان کو زیب نہیں دیتا کہ بلاتحقیق وتجسس کسی پر کفر و شرک کا ایسا جارحانہ نشتر چلانے کی جسارت کریں کیونکہ ان حضرات کا اعتراض 'وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہوکر' کی صورت میں ہے اور گزشتہ سطور میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ عارف باللہ حضرت آسی نے اپنی وصیت ہی میں خود اس کی نفی وتردید فرمادی تھی، سچی بات یہ ہے کہ اس شعر پر اعتراض کرنے والوں کو عموماً شعر کی اصلیت ہی کی خبر نہیں، بنا بریں شعوری یا غیر شعوری طور پر خالص عشق وعقیدت کا سر رشتہ توہین و گستاخی سے جوڑ دیتے ہیں حالآنکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ ان حضرات نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی قطعی وشرعی دلیل کا ذکر تک نہیں کیا اور بیانیہ اس طرح ہے جیسے ان کا یہ دعویٰ نا قابلِ تردید ہو۔

رہا ظہیر غازی پوری کا معاملہ تو ان کے جواب کے لئے ہم خود میدان میں اتریں، بہتر یہ ہوگا کہ اربابِ باطن اور خاصانِ خدا کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الغنی النابلسی علیہما الرحمہ نے جو فیصلہ کن بحثیں کی ہیں انہیں پیش کر دیا جائے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اگر (کسی بزرگ سے) کوئی ایسا لفظ صادر ہوا، جس کا ظاہری معنی علومِ شرعیہ سے مطابقت نہیں رکھتا ہو تو اس میں شور وغل کی ضرورت نہیں کہ اس لفظ کو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر سے پھیر کر علوم شرعیہ کے مطابق کیا جاسکتا ہے اور مسلمان پر تہمت نہیں لگانی چاہئے، کسی کے فحش کو پھیلانا اور ہر جگہ فاسق کو رسوا کرنا منکر وحرام ہے تو محض شبہ کی بنیاد پر کسی مسلمان کو رسوا کرنا کیونکر مناسب ہوسکتا ہے اور شہر در شہر اعلان کرنا کہاں کی دیانت داری ہے۔ اسلامی طریقہ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کلمہ جس کا ظاہر خلاف شرع ہے، اگر کسی شخص سے صادر ہوجائے تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا قائل کیسا ہے اگر ملحد زندیق ہو تو اس کے قول کا رد کرنا چاہئے اور اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس کا قائل مسلمان ہے اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے قول کی تشریح کرنی چاہئے اور اس قول کا صحیح محل نکالنا چاہئے یا اس کے قائل سے اس خلاف شرع قول کی تشریح وتوضیح اور رفع اشتباہ کا مطالبہ کرنا چاہئے اور اگر وہ شخص اس کی صحیح توضیح سے عاجز آجائے تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے۔

(مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر دوم۔ ص: ۵۶۶)

اچھی بات کا حکم دینے اور بری بات سے روکنے میں نرمی برتنی چاہئے کہ اسے آدمی مان سکتا ہے اور اگر مقصد منوانا نہ ہو بلکہ رسوائی مطلوب ہو تو یہ دوسرا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

''حدیقۂ ندیہ'' میں اس سے زیادہ واضح لفظوں میں ہے:

ترجمہ: ''اگر کوئی عارف بزرگ اس زمانہ میں بظاہر خلافِ شرع کلام کا تکلم کریں تو ان کے کلام کو ان اہلِ معرفت کے سامنے پیش کرنا چاہئے جو علمِ ظاہر وباطن کے جامع ہوتے ہیں کیونکہ یہ حضرات اسی قسم کے کلام کا معنی ایسا جانتے ہیں جو خلافِ شرع نہیں ہوتے لیکن وہ علماء جو صرف ظاہری علوم سے آشنا ہیں تو ان کے اس قسم کے قول کو ظاہری قرآن کے خلاف کہہ دینے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ صوفیہ کے اشارات کو نہیں جانتے اور نہ ہی اربابِ کمال کی باریکیوں کو پہچانتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ حضرات اعراب اور معانیِ لغویہ کے اعتبار سے کلام کرتے ہیں اور وضعِ خاص کو نہیں جان پاتے جو صوفیہ کی اصطلاح ہوتی ہے، یہ لوگ اہلِ کمال کو برا بھلا کہہ ڈالتے ہیں حالآنکہ یہ لوگ اصطلاح

کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور درست قول کرنے والے کو خطاوار ٹھہراتے ہیں اور انہیں پتا نہیں چل پاتا کیونکہ ہر میدان کے کچھ بہادر ہیں اور ہر بہادر کو قوت و طاقت حاصل ہے۔ اس کی نظیر شیخ ابو الغیب ابن جمیل قدس سرہ کا وہ واقعہ ہے کہ ان کے پاس فقہا کی ایک جماعت آئی تو شیخ نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے غلام کو خوش آمدید ہو، تو ان فقہا نے شیخ پر نکیر فرمائی اور اس کا تذکرہ شیخ اسماعیل حضرمی رضی اللہ عنہ سے کیا جو علمِ ظاہر و باطن کے سنگم تھے تو انہوں نے فرمایا: شیخ نے سچ کہا، تم لوگ خواہشِ نفس کے غلام ہو اور خواہشِ نفس ان کا غلام ہے۔''

(الحدیقۃ الندیہ۔ جلد: ۱۔ ص: ۱۷۵۔ بحوالہ فتاویٰ امجدیہ)

ان صوفیائے کرام اور عرفائے حق کے اقوال میں اس طرح کا کلام پایا جانا کوئی تعجب خیز نہیں جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں یا حضور اقدس ﷺ کو تعینِ اول کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ ان مذکورہ اقوال کی روشنی میں حضرت آسی علیہ الرحمۃ کا شعر بہر حال بے غبار اور اعتراض سے پاک ہے۔

اس مبہم شعر کی مزید توضیح کے لئے صدر الشریعہ بدر الطریقہ حکیم مولانا مفتی امجد علی گھوسوی علیہ الرحمۃ (مصنف بہارِ شریعت) کا وہ عارفانہ فتویٰ رقم کر دینا از حد ضروری معلوم ہوتا ہے جسے آپ نے اسی شعر کے متعلق کئے گئے ایک استفتا کے جواب میں صادر فرمایا تھا، شاید معترضین اپنے اعتراضات اور شکوہ ہائے دل کا حل اس میں پالیں اور ان کی بھڑکی ہوئی رگیں خطِ اعتدال پہ آجائیں:

''الجواب: شعر کا مفہوم جو اس وقت فقیر کے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ: ذاتِ خدا جس کی صفت استوا علی العرش ہے، اس نے اپنی ذات کا مظہرِ اتم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بنایا، اترنا کہ یہ ''نزول'' کا ترجمہ ہے کنایہ مظہریت ہے جیسا کہ حدیث ینزل تعالیٰ الی السماء الدنیا میں تاویل کی جاتی ہے کہ مراد نزولِ رحمت ہے اور آسمانِ دنیا مورِدِ رحمتِ خاص اور مظہرِ تجلی بن جاتا ہے۔ چوں کہ یہ شعر کسی بے باک، زبان دراز کا کلام نہیں جس کی عادت ایسی ہو کہ جو جی میں آئے بک دے بلکہ ایک واقفِ شریعت کی طرف منسوب ہے لہٰذا تا حد امکان کلام کی تاویل کی جائے گی اور کلام کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا۔'' (فتاویٰ امجدیہ۔ جلد چہارم۔ ص: ۱۷۹)

اس شعر پر استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ال مصطفیٰ دام ظلہ نے اسی فتویٰ کے ذیل میں جو علمی و تحقیقی فٹ نوٹ لکھا ہے اور اس شعر کو کئی وجہ سے بے غبار دکھایا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت آسی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ مدِ نظر رکھنی ہے کہ اس کے مصرعِ اولیٰ میں ''مستویِ عرش تھا'' نہیں ہے بلکہ ''مستویِ عرش ہے'' ہے جو دوام و استمرار کو بتاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر بعینہ وہ ذات نہیں اتری جو مستویِ عرش ہے بلکہ اس کی صفات کا ظہور تام، مصطفیٰ ﷺ میں ہو رہا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ذاتِ خدا جس کی صفت استوائے عرش ہے اس نے اپنی ذات کا مظہرِ اتم حضور اقدس ﷺ کو بنایا۔ یہاں اترنا، جلوہ فرمانا کے معنی میں ہے جو مظہریت سے کنایہ ہے لغوی معنی مراد نہیں کہ جس سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا مفہوم لیا جائے۔ نزول جس کا ترجمہ 'اترنا' ہے، احادیثِ کریمہ میں خود اسی کی نسبت اللہ عزوجل کی جانب سے وارد ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب پندرہویں شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ (باب قیام شہر رمضان۔ ص: ۱۱۵)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''ینزل فیھا'' کی توضیح و تشریح ''یتجلی بصفة الرحمة'' سے فرمائی ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ)

''ہر رات جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔''

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت

فرماتے ہیں:

''نزدِ محققین نزول صفتے است از صفاتِ الٰہی مثل ید واستواو جز آں از متشابہات کہ ایمان بداں باید آورد وز کیفیت آں باید استاد، یعنی تجلی می کند دے تعالیٰ باین در وقت سحر۔''

(اشعۃ اللمعات۔ص:۵۳۱۔جلد اول)

''لمعات شرح مشکوۃ'' میں اسی حدیث کے تحت نزول سے مرادِ نزولِ رحمت لیا ہے۔

"ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلة الی السماء الدنیا، ویروی من السماء العلیاء الی السماء الدنیا والنزول و الهبوط والصعود والحرکات من صفات الأجسام والله تعالیٰ متعال عنه. والمراد نزول الرحمة وقربه تعالیٰ بانزال الرحمة و اضافة الانوار و اجابت الدعوات و اعطاء المسائل و مغفرة الذنوب و عنه اهل التحقیق النزول صفة الرب تعالیٰ وتقدس یتجلی بها فی هذا الوقت یومن بها کیف عن التکلم بکیفیتها کما هو حکم سائر الصفات المتشابهات مما ورد فی الشرع کالسمع والبصر والید والاستواء و نحوها,وهذا هو مذهب السلف وهو أسلم والتاویل طریقة المتاخرین وهو احکم. (لمعات حاشیہ مشکوٰۃ۔ص:۱۰۹)

جس طرح مذکورہ احادیث میں 'نزول' تجلی فرمانے کے معنی میں آیا ہے اسی طرح حضرت آسی کے شعر میں 'اتر پڑنا' جلوہ فرمانے کے معنی میں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے اسمائے صفاتی کے مظہر ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ''اخبار الاخیار'' شریف میں حضرت شیخ محمد حسن قدس سرہٗ کے حالات کے بیان میں ان کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

''جس ظہور کو اللہ تعالیٰ نے نزول کے ذریعہ اعیان کے ساتھ نسبت دی ہے وہ رسولِ اکرم ﷺ ہیں جو کاملِ نورانی ہونے کے ساتھ اپنے اخلاق و وسعت میں بمرتبہ افعال واسمائے صفاتی کے جلوہ گر ہیں۔

(مترجماً۔جلد:۱،ص:۹۰)

حلول اور ظہور کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دونوں کو ایک جاننا علمِ تصوف سے بے خبری کی دلیل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دونوں کے درمیان بڑا واضح معنوی فرق بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''ظہور اور حلول دونوں الگ چیزیں ہیں اس لئے کہ حلول نفسِ شئ کا کسی دوسری شئے میں ہونے کا نام ہے جیسے ذات زید کا گھر میں ہونا۔ اور ظہور عکسِ شئے کا کسی دوسری شئے میں ہونے کا نام ہے جیسے عکسِ زید کا آئینہ میں ہونا۔ مرتبہ وجوب میں حلول و حال وغیرہ عیب ہے اور ظہور کا ثبوت نہ تو محال وممنوع اور نہ ہی اس کے حصول میں نقص ہے کیونکہ حلول کے لئے تغیر لازم ہے جو قدیم ہونے کے منافی ہے اور ظہور تغیر کو مستلزم نہیں، لہٰذا اگر کمالات وجوبیہ کا ظہور امکان کے آئینہ میں ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کمالات ان آئینوں میں حلول کر گئے اور نہ ہی یہ لازم آتا کہ ان میں تبدیلی واقع ہوگئی اور نہ یہ کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگئے کہ یہ قدیم کے منافی ہے، یہ تو محض ظہور ہے اور آئینہ میں کمال کا مشاہدہ کراتا ہے لہٰذا امکان کے آئینہ میں کمالاتِ الٰہیہ کے ظہور کو جائز قرار دینے کی وجہ سے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ آئینوں میں ان کمالات کے حلول کو جائز قرار دے دیا گیا بلکہ یہ تو آئینہ میں کمال کے ظہور کو جائز قرار دینا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں۔'' (مکتوباتِ امام ربانی۔دفتر دوم۔ص:۵۵۶)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کا کسی چیز میں جلوہ فرمانا اس کی شان ارفع واعلیٰ کے منافی نہیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ خدائے ذوالجلال کے مظہر کامل ہیں اور یہ عقیدہ نہ صرف ان کا بلکہ تمام اہلسنّت وجماعت کا ہے۔ اس شعر میں انہوں نے اسی مظہریتِ کاملہ کو بیان فرمایا ہے اور نسبتِ مجازی کا اسلوب اختیار

فرما کر کلام کو حد درجہ بلیغ اور وجد آفریں کر دیا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت فانی گورکھپوری علیہ الرحمۃ ''مقدمہ دیوانِ آسیؔ'' میں اس شعر کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

''اگر مصرعِ اولیٰ میں 'وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر' ہوتا تو البتہ ان کا اعتراض خدا کے مجسم ہونے کا صحیح ہوتا، وہ تو اب بھی مستوی علی العرش ہے مدینہ میں اترنا باعتبارِ صفات کے ہے جیسے آفتاب آئینے میں اترتا ہے۔''

حضرت فانی علیہ الرحمۃ کی یہ تمثیل 'تشبیہ المعقول بالمحسوس' کے قبیل سے ہے جو محض تقریبِ فہم کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح آئینہ میں آفتاب کا ظہور، ظہورِ تام ہوتا ہے اس میں حلول واتحاد کا شائبہ نہیں ہوتا اسی طرح آئینہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں صفاتِ خداوندی کا ظہور، ظہورِ تام ہے۔

شعر وشاعری کے اندر مجازات وکنایات کا استعمال شائع وذائع ہے اور حقیقت کو مجاز کے پیرایہ میں بیان کرنا حضرت آسیؔ کی شاعری کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ تو شعر لغو ہے آسیؔ کلام ناکارہ

شعرِ مذکور میں بھی حضرت آسیؔ نے مجاز کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ حضرت آسیؔ علیہ الرحمۃ نے مصرعِ اولیٰ میں اللہ عزوجل کے لئے ''مستوی علی العرش'' کا ذکر فرما کر اس بات کا اشارہ کرنا چاہا کہ جس طرح خدائے ذوالجلال کے لئے ''مستوی علی العرش'' کی نسبت حقیقی نہیں مجازی ہے، اسی طرح مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر اترنے کی نسبت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔

شعرِ مذکورہ کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ یہاں استفہام ہے جو تعجب کے لئے ہے یعنی اس کلام کو بطور استفہام تعجبی استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو ذات مستویِ عرش ہو وہی مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر اتر جائے بلکہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر اترنے والی ذات دوسری ہے اور مستویِ عرش دوسری ذات ہے۔

(حاشیہ فتاویٰ امجدیہ۔ ص:۱۷۹۔۱۸۴)

حضرت آسیؔ غازی پوری زبردست عالمِ دین، صوفی، صاحبِ نسبت بزرگ اور عارف باللہ تھے، شعر وشاعری میں بھی ان کا مقام کافی اونچا تھا، مسئلہ تصوف میں شاعرانہ رنگ میں روشنی ڈالنا اور مجاز کے پردے میں حقائق واسرار کی گرہ کشائی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس لئے محض شعر کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے اس پر اعتراض کرنا اور کفر وشرک کے فتویٰ داغنا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ ہمیں دین اور عالمِ دین کی صحیح قدر عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ

کتابیات

۱۔ مشکوٰۃ شریف از: شیخ ولی الدین بن عبداللہ خطیب تبریزی
۲۔ لمعات حاشیہ مشکوٰۃ از: امام ملا علی قاری حنفی
۳۔ اشعۃ اللمعات از: شیخ محدث عبدالحق بن سیف الدین دہلوی
۴۔ فصوص الحکم از: حضرت محی الدین ابن عربی
۵۔ الحدیقۃ الندیہ از: شیخ عبدالغنی نابلسی
۶۔ مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی از: حضرت شیخ احمد سرہندی
۷۔ فتاویٰ امجدیہ از: صدر الشریعۃ علامہ امجد علی قادری
۸۔ عین المعارف از: حضرت آسیؔ سکندر پوری ثم غازی پوری
۹۔ تاریخ سلاطین شرقی از: ڈاکٹر سید اقبال احمد جونپوری
۱۰۔ نعت رنگ از: صبیح رحمانی
۱۱۔ گلدستۂ نعت ومنقبت از: ساجد صدیقی
۱۲۔ ارمغانِ حرم از: ساجد صدیقی

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر*

عظیم انسانوں کے ساتھ بے انصافی زمانے کا دستور رہا ہے، دراصل لوگ اپنے اپنے وقت کے اہلِ کمال و ہنر کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، از راہِ حسد و بغض خود بھی ان کے کمالات کے منکر ہوتے ہیں اور دوسروں کی حق شناس نظروں سے بھی انہیں اوجھل رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں، تاریخ میں یہ روش ہر زمانے میں نظر آتی ہے، اِنَّ الزَّمَانَ بِالْکِرَامِ عَثُوْرٌ (زمانہ شرفا کو گراتا رہتا ہے) یہ ایک ایسی شکایت ہے جو نہ صرف عرب شعراء کی زبان پر رہی ہے بلکہ تمام دانا و بینا لوگ اس کے شاکی نظر آتے ہیں، تاہم زمانہ اور اہلِ زمانہ کی روش کا تعلق کبھی تو دشمنوں کی چیرہ دستی اور غیروں کی ناقدری سے ہوتا ہے اور کبھی اس کا سبب اپنوں کی غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے۔ امام اہل سنت و جماعت فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اس چاروں قسم کی غیر منصفانہ روش اور حق تلفی کی زد میں رہے ہیں چنانچہ ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی کافی مدت تک ان کے کمالات کا اعتراف نہیں کیا گیا اور ان کی شخصیت اور کمالات لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہے ہیں، کبھی تو یوں ہوتا رہا ہے کہ بیرونی دنیا میں خصوصاً بلادِ عرب کے اہلِ علم نے ان کے کمالات کا صدقِ دل سے اعتراف کیا جو ان کے اہلِ وطن میں سے حاسدین و مبغضین کو گوارا نہیں ہوسکا، کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ مولانا کے حاسدین و مخالفین نے بلادِ برصغیر اور بیرونی دنیا میں بے سروپا الزامات کے ذریعہ ان کی بدنامی اور حق تلفی کی دانستہ اور منظم کوششیں کی ہیں۔ یہ بھی ہوا ہے کہ ان کے کمالات علم و ہنر کے قدردانوں کی نظر سے نادانستہ طور پر پوشیدہ رہ گئے اور اس میں اپنوں کی غفلت، کوتاہی اور ناپختہ کاری کا بڑا دخل ہے کہ ہم امام اہلسنّت کے مرتبہ و مقام کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

یہ بات باعثِ اطمینان و مسرت ہے کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا جیسے اداروں نے جناب سید وجاہت رسول قادری جیسے مخلص اور انتھک محنت کرنے والوں کی سرپرستی میں اس کمی کو پورا کرنے کی قابلِ قدر کوشش کی ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جیسے عظیم دانشوروں اور علمائے اہلسنّت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے، ہمارے بزرگ حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب نے بھی قابلِ تحسین سعیِ مشکور فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دوسروں کو بھی ان کی پیروی اور تقلید کرنے کی توفیق ارزاں عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہِ سید المرسلین ﷺ

عرض یہ کرنا ہے کہ امام اہلسنّت حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور کمالاتِ علمی کو ان کے معاصر حاسدین اور بعد کے اہلِ بغض و عداوت نے دبانے اور بے قدری کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے بدنام کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن بایں ہمہ حقیقتِ حال عیاں ہوکر رہی اور آہستہ آہستہ ان کی شخصیت نکھر کر سامنے آرہی ہے اور ان کے علم و فضل سے نہ صرف یہ کہ ایک عالم آج آگاہ نظر آتا ہے بلکہ ان کے کمالاتِ علم و فضل کا برملا اعتراف بھی ہورہا ہے، سچائی اور کمالِ ہنر کو زیادہ دیر چھپایا نہیں جاسکتا۔ کیا خوب حقیقت بیان کی ہے لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے کہ

> نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
> کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر؟

تاہم ابھی مزید سعیِ مشکور کا انتظار کرنا پڑے گا، ابھی تو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز شاعرانہ کمالات بھی سامنے آئیں گے اور دنیا کو معلوم ہوگا کہ حُبِّ رسولِ برحق میں دیوانہ وار شعر و حکمت کے موتی بکھیرنے والا اپنے محبوب مصطفیٰ ﷺ کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی اور گستاخی کو بے برداشت نہیں کرسکتا تھا اور ایسا کرنے والوں کو سرزنش کرنے میں کسی

* سابق رئیس الکلیۃ السنۃ الشرقیہ، جامعہ پنجاب

لحاظ اور نرم روش کا قائل ہی نہ تھا، اس لئے سمجھنے میں غلطی کرنے والے لوگ فاضل بریلوی سے خفار ہے اور بعض تو حد سے بھی آگے نکل گئے، اس بدمزگی نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے ایک روشن ستارے کو گہنانے کی ناکام کوشش کی ہے، اس لئے یہ حقیقت دنیا کے سامنے اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان کی یونیورسٹیوں میں بھی اس سلسلے میں کچھ کام ہوا ہے، ایم اے کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے دو مقالات پنجاب یونیورسٹی میں پیش ہو چکے ہیں جن میں ایک کامیاب ہو چکا ہے، دوسرا بھی کامیابی کی طرف گامزن ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی سے سرفراز ہوگا، یہ بات بڑی اطمینان بخش ہے کہ عالمِ اسلام کی عظیم الشان درسگاہ جامعۃ الازہر میں بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر تحقیقی کام ہوا، اس کے علاوہ مصر وعراق کے بعض عرب فضلاء نے ان کی عربی شاعری پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، مولانا کی اردو شاعری کے کمالات کو عربی کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی پیش کرنے کی ضرورت ہے، اس کوشش سے امام اہلسنّت کے کمالاتِ علم و ہنر کا ایک پہلو یعنی بحیثیت شاعر دنیا کے سامنے آجانے کے بعد باقی پہلوؤں پر بھی کام کرنا آسان ہو جائے گا اور لوگ خود بخود ان تمام پہلوؤں سے آگاہ ہونے کی تمنا اور کوشش کریں گے۔

فاضل بریلوی بلاشبہ مسلم برصغیر کی ایک نادرۂ روزگار شخصیت تھے، وہ ایک عظیم وجلیل عالم تھے، بیک وقت متعدد علوم و معارف پر عبور کامل رکھتے تھے، متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا جن میں عربی، فارسی، اردو اور ہندی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، وہ ان چاروں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے، ان کا عربی کلام اب تک بکھرا ہوا تھا اور بکھری ہوئی شئے میں سے کافی کچھ کا ضائع ہو جانا قدرتی اور معمول کی بات ہے لیکن بایں ہمہ ان کے دستیاب عربی کلام کو یکجا کرنے سے ان کا ضخیم عربی دیوان تیار ہو گیا ہے، جناب شاہد علی نورانی ہماری تحسین اور قدر شناسی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم الشان مقالۂ ڈاکٹریٹ ''الشیخ الامام احمد رضا۔ شاعراً عربیاً'' میں اعلیٰ حضرت کے عربی شاعری کو اپنا موضوع بنایا ہے، منتشر کلام کو اکٹھا کر کے ایڈٹ کیا ہے اور اپنے مقدمہ وتبصرہ کے ساتھ چودہ سو صفحات پر مشتمل ضخیم مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

حضرت امام اہلسنت کی عربی شاعری بہت عمدہ رنگوں کا حسین امتزاج ہے، ان کے بیشتر عربی قصائد ومنظومات تو قدرتی طور پر مدحتِ رسول ﷺ سے عبارت ہیں جو حضرت حسان بن ثابت، کعب بن زہیر اور صاحب البردہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلاتے ہیں لیکن ان کے عربی کلام کے دیگر موضوعات بھی ہیں جنہیں شاعر نے بہت خوبصورت اسلوبِ بیان اور رنگِ معانی کے ساتھ پیش کیا ہے، ان کی شاعری میں حکمت وبصیرت کی باتیں جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ، ابو الطیب المتنبی، ابوتمام اور ابوعبادۃ البحتری کی یاد تازہ کرتی ہیں، متنبی نے یہ شعر اپنے ممدوح سیف الدولہ کی نذر کر کے بڑی زیادتی کی ہے کیونکہ یہ شان حضرت سیدنا ومولانا مصطفیٰ ﷺ کو زیبا ہے:

مضت الدهور فما أتين بمثله
ولقد اتى فعجزن عن نظر ائه

(یعنی زمانے بیت گئے مگر وہ میرے ممدوح کی مثال نہ لا سکے اور اب وہ آ گیا ہے تو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں)

اس قسم کی بات صرف سرورِ کائنات ﷺ ہی کو تو زیب دیتی ہے مگر ایک حقیر شہزادہ اس شان کا مستحق نہیں ہو سکتا مگر متنبی جیسے منہ زور شاعر اور امام مبالغات کو کون منع کر سکتا ہے۔ (اس کا تو معاملہ یہ ہے: بے حیا باش ہر چہ خواہی کن) ہاں البتہ اعلیٰ حضرت جیسا عاشقِ رسول جب شعر کہے گا تو وہ اس کا تدارک بھی کر دے گا اور اس کا جواب بھی دیدے گا۔ مولانا کا ایک ممزوج قصیدہ ہے جس میں بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں کا امتزاج واستعمال ہے، آپ فرماتے ہیں:

لم یأتِ نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

﴿یعنی آپ کی نظیر کسی نظر نے کبھی دیکھا ہے اور نہ آپ کی مثال کوئی محبوب کبھی پیدا ہوا ہے﴾

اپنی متنوع عربی و اردو تصانیف کے نام رکھنے میں بھی مولانا احمد رضا خاں کا جواب نہیں۔ کتب کے بیشتر نام عربی ہیں جو مصر کے کثیر التصانیف محدث، فقیہ، مؤرخ، نحوی اور سیرت نگار امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی یاد دلاتے ہیں۔ امام اہلسنّت کی عربی تصانیف ابھی تک ایڈٹ ہونے کی منتظر ہیں بلکہ ان کے خطی نسخوں کے ضیاع کا بھی ڈر ہے، حال ہی میں ان کی نادر کتاب "الازلال الانقی" کو بھی ہمارے ایک طالب علم نے ایڈٹ کر کے بطور ڈاکٹریٹ پنجاب یونیورسٹی میں پیش کر دیا ہے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہشت پہلو ہی نہیں، ہمہ جہت ہے۔ ان کی سیرت و شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ و استیعاب بہت مشکل کام ہے، ان کا خوبصورت ترجمہ قرآن کریم کنز الایمان تمام قدیم وجدید تراجم میں منفرد ہے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے وقتوں میں بھی ابھی اردو زبان ناپختہ تھی، لیکن مولانا احمد رضا خاں کے عہد تک اردو زبان کافی منجھی ہوئی زبان بن چکی تھی پھر وہ چونکہ اہلِ زبان تھے اس لئے اردو کے ساتھ ہندی پر بھی انہیں قدرت حاصل تھی اور عربی زبان میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ اس طرح عربی اور اردو دونوں زبانوں کا عالم اور شاعر و ادیب ہونے کے باعث انہیں ترجمۂ قرآن کرتے وقت ہر دو زبانوں پر قدرت کے عملی مظاہرہ کا موقع ملا اور بے ساختہ ترجمۂ قرآن مکمل ہو گیا تو آپ نے اسے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا خوبصورت نام دیا، مولانا کے اس ترجمہ میں مناسب الفاظ کی آمد اور حسین اسلوبِ بیان کا امتیازی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ ٹھیٹھ اردو الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کے عربی الفاظ کا نہایت عمدہ اور موزوں امتزاج ملتا ہے، یوں حضرت امام اہلسنّت رحمہ اللہ کی عربی نظم و نثر کی طرح اردو نظم و نثر کا جلال و جمال اور حسن و دلکشی ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور ہر دیکھنے، سننے اور پڑھنے والا ان کی ہنرمندی، کمالِ قدرت اور جمالِ ندرت کو قریب سے دیکھ سکتا ہے، دونوں زبانوں میں مہارت نے مولانا کے تمام علمی اور ادبی کاموں کو معنوی حسن کے ساتھ ساتھ لفظی حسن سے بھی نوازا ہے اور وہ اس میدان کے تنہا شہسوار دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں علم و ادب کی دنیا میں ہمہ پہلو علمی و ادبی شخصیت کے مالک ہیں، اس لئے جب وہ کہتے ہیں کہ:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، تصوف اور علم الکلام کی دنیا کا ایک بے حد حساس اور الجھا ہوا مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ اس باب میں بڑے بڑوں نے لغزشیں کھائی ہیں اور وہ گرتے اور ڈوبتے رہے ہیں، ساحلِ مراد تک پہنچنا کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے، شیخ اکبر محی الدین ابن العربی علیہ الرحمۃ نے وحدۃ الوجود کا علَم تھام کر دنیا میں دھوم مچا دی لیکن بہت سوں کو اس میں مبالغہ آرائی نظر آئی اور بات سمجھ میں نہ آئی، پھر بعض کو ان کی توجیہات پسند نہ آئیں۔ بعض نے اس کی صحت سے بھی انکار کیا کیونکہ وحدۃ الوجود کا ترجمہ جب "ہمہ اوست" ہوا تو (ان کے خیال میں) اس میں شرک کی بو آنے لگی، اگر ہر چیز میں خدا جلوہ گر ہے تو اس سے شرک اور تعدد الٰہ لازم آتا ہے۔ شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ وحدۃ الوجود نہیں بلکہ وحدۃ الشہود ہے یعنی ہر شئے میں خدا جلوہ گر نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر شئے خدا کے وجود پر شاہد اور گواہ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان موافقت اور مطابقت پیدا کرنے کا دعویٰ کیا مگر بات نہ بن سکی اور سلسلہ الجھتا گیا۔

حضرت امام اہلسنّت نے وحدۃ الوجود کو غلط کہنے یا اسے وحدۃ الشہود سے بدلنے کے بجائے یہ واضح کیا کہ لوگوں نے وحدۃ الوجود کا حقیقی مفہوم ہی نہیں سمجھا، ہے تو وحدۃ الوجود ہی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شئے میں خدا ہی جلوہ گر ہے اور نہ اسے وحدۃ الشہود میں بدل کر یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ہر ہر شئے میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے وجود پر شاہد اور دلیل ہے بلکہ وحدۃ الوجود کے معنی دراصل یہ ہیں کہ حقیقی وجود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے۔ باقی سب وجود سائے ہیں یا ظلال وعکوس ہیں، واجب الوجود تو صرف اللہ کی ذات ہے باقی چیزوں کی ہستی عارضی ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ سورج کی روشنی سے سب چیزیں روشن تو ہو جاتی

ہیں مگر ان سب چیزوں کی روشنی عارضی ہے، اصلی روشنی تو سورج کی ہے جب وہ اپنی روشنی واپس لے لیتا ہے تو اندھیرا اور سیاہی چھا جاتی ہے یا اس کی مثال ایسے سمجھو جیسے کوئی انسان شیشے کے کمرے میں ہو تو اس کے عکس چاروں طرف دکھائی دیں گے، مگر یہ عکوس اصل تو نہیں، اصل تو صرف ایک ہی ہے اور وہ، وہ آدمی ہے جو شیشے کے مکان میں ہے تاہم حضرت نے اللہ کی ہستی یا وجود پر بحث سے منع فرمایا ہے کہ اس ذات کا ادراک اپنی عقل و بصیرت سے ہم نہیں کر سکتے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لاتدرکه الابصار۔ هو یدرک الابصار

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر میدان سیاست میں کبھی شرکت نہیں فرمائی مگر ایک داعیِ اسلام اور مصلحِ دین کی حیثیت سے ملتِ اسلامیہ کے ہر پہلو اور ہر کمزوری پر نظر تھی اور ہر مسئلہ پر کافی شافی اور تسلی بخش رہنمائی مہیا فرمائی۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات دو ایسے مرحلے تھے جن میں برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اور اس کا سبب ہندو لیڈر کرم چند گاندھی اور اس کے ہمنوا کانگریسی مسلم لیڈر تھے، یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ان دو مراحل، نام نہاد ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت، میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نقصان ہوا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز نے براہِ راست اور ہندو نے خفیہ سازشوں کے ذریعہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جبکہ ان دو مراحل میں ہندو اور انگریز دونوں نے ملی بھگت سے مسلمانوں کی پسماندگی اور ناپختہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بھولی مخلوق کو خفیہ طور پر انتہائی مکاری سے شدید ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

ان مراحل میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی اور بتایا کہ ہندو نہ تو اسلام یا مسلمانوں کا خیر خواہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے دوستی، موالات یا رہنمائی کی توقع رکھنا چاہئے بھلا جو قوم مسلمانوں کے لئے خونخوار قاتل رہی ہو، مسجدیں جلائی ہوں، مسلمانوں کو پٹرول ڈال کر زندہ جلایا ہو اور مسلمانوں کو ایک نجاست قرار دیکر ان سے بھارت ماتا کو پاک کرنے کے شریر عزائم رکھتا ہو وہ مسلمانوں کا لیڈر یا خیر خواہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ مولانا نے بتایا کہ تمام مشرکین و کفار سے موالات ناجائز ہے۔ اس لئے گاندھی یا کانگریسی ہندوؤں کو مسجدوں کے منبر پر لا بٹھانا بہت بڑی جہالت اور دیوثی ہے، بھلا گاندھی کیا لگے اور اسلامی خلافت کیا؟ لطف کی بات یہ ہے کہ گاندھی نے تو Non-Copreation (عدمِ تعاون) کی تحریک شروع کی تھی مگر کسی ''فاضل'' نے نان کوآپریشن کا ترجمہ ترکِ موالات فرمادیا کہ اب انگریز سے دوستی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان دار الحرب ہے اور مسلمانوں کو یہ ملک چھوڑ دینا چاہئے، گاندھی اور ہندو لیڈروں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسلمانوں کو ملک چھوڑنے کی تاکید و ترغیب فرمائی مگر کسی ہندو کو ملک چھوڑنے کی تکلیف ہی نہ دی گئی کیونکہ ہندو تو اسے نان کوآپریشن یا عدم تعاون کی تحریک کہتے تھے مگر مسلمانوں کے لئے یہ ترکِ موالات یعنی دوستی کے ترک کے ساتھ ساتھ ملک چھوڑ جانے کی تحریک بنادی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی جب جنوبی افریقہ میں ایک گورے کا تھپڑ کھا کر ہندوستان آیا تو وہ ایک گمنام و ناکام وکیل تھا مگر آتے ہی اسے تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے پلیٹ فارم مل گئے جن سے اس نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا اعتماد جیت لیا بلکہ آل انڈیا سطح کا عوامی لیڈر بھی بن گیا، اس کے علاوہ اسے دو فائدے اور بھی نظر آئے جس کے لئے ہر ہندو ہمیشہ آرزو مند رہتا تھا، ایک یہ کہ مسلمان کو انگریزوں کی نظر میں مزید گرا کر ذلیل کروایا جائے دوسرے یہ کہ مسلمان یہ سرزمین چھوڑ جائیں، اس لئے گاندھی کی طرح ہر ہندو لیڈر مسلمانوں کو ترکِ موالات پر ابھارنے اور تلقین و تاکید کرتے ہوئے نہ تھکتا تھا مگر کسی ہندو کو اس میں حصہ لینے کی نہ تلقین و تاکید تھی اور نہ کسی ہندو نے ملک چھوڑا۔ وہ تو صرف مسلمانوں کو اپنا سب کچھ اونے پونے ہندو کے حوالے کر کے ہندوستان چھوڑنے کی ترغیب فرماتے تھے۔

پہلے میں یہی سمجھتا تھا کہ ہندو کی نیچر کو صرف دو آدمی جانتے اور سمجھتے تھے، ایک ابو ریحان البیرونی اور دوسرے قائد اعظم محمد علی جناح۔ مگر اب معلوم ہوا کہ میں بالکل غلط تھا، ہندو کو اس کی اصل نیچر اور

کرتوتوں کے ساتھ تو اعلیٰ حضرت نے جانا اور سمجھا ہے جب وہ کانگریسی مسلمانوں کو دہائی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیا آپ حضرات نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار نہیں کی؟ کیا آپ نے وہ مذہب بنانا نہ چاہا جو مسلم و ہندو کا امتیاز اٹھادے؟ کیا وہ دین گھڑنا نہ چاہا جو سنگم اور پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرادے؟ کیا صاف نہ کہا کہ نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے؟ کیا مشرکوں سے نجوشی قشقے نہ لگوائے؟ کیا مشرکوں کو مسجد لے جاکر مسلمانوں سے اونچا کھڑا کر کے ان کو واعظ نہ بنایا؟ کیا مشرکوں کی خوشی کے لئے شعارِ اسلام بند کرنے کی کوششیں نہ کیں؟ کیا جن خونخوار ہندوؤں نے گائے کے پیچھے مسلمانوں کو ذبح کیا، پھونکا جلایا، اتحاد ہنود منانے کے لئے ان کی معافی کا ریزولیشن پاس نہ کیا؟ ان کی رہائی کے لئے درخواست نہ دی؟'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ ص:۴۹۲)

حضرت فاضل بریلوی کی یہ جرات ایمانی ہے کہ انہوں نے ہندو کے مظالم علی الاعلان گنوانے کے ساتھ ساتھ ہندو نواز مسلمانوں کو سخت ترین الفاظ اور لہجے میں یوں غیرت دلائی، تاریخ میں بار بار آزمائے ہوئے ہندو کو اب پھر آزمانے والوں اور ہندو کے سامنے بچھ جانے والوں سے صرف یہی سوال نہ پوچھے جائیں بلکہ اس میں یہ بھی بڑھادیا جائے کہ کیا ہندو کی خبیث نیچر اب بدل گئی ہے؟ کیا وہ دوسرے مذاہب والوں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کا قائل ہوگیا ہے؟ تقسیم کے بعد پاکستان میں تو ہندو کے خلاف ہونے والے فسادات ایک درجن بھی نہیں، کیا بھارت میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والے فسادات کی تعداد چالیس ہزار سے بڑھ نہیں ہوچکی؟ کیا ہندو نے گزشتہ اٹھاون سال کے دوران حکومتی مشینری کی نگرانی میں اقلیتوں خصوصاً مسلم اور عیسائی اقلیتوں کا منظم قتلِ عام نہیں کیا؟ اگر ان تمام سوالوں کا جواب 'ہاں' میں ہے (اور یقیناً ہے!) تو پھر ہم کسی امید پر اور کس وجہ سے ہندو کے سامنے بچھے جارہے ہیں؟

آخر میں البیرونی کی کتاب الہند کے یہ دو اقتباسات پڑھ لیجئے جو زندہ رود (۲:۱۷۲) سے لئے گئے ہیں:

''ہندو ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) ہر لحاظ سے مختلف ہیں، ان کے کئی معاملات جو بظاہر مشکل اور پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں، نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتے، اگر ہمارے درمیان کوئی رابطہ ہوتا......لیکن یوں محسوس ہوتا ہے گویا ہندوؤں نے اپنے رواجات کو جان بوجھ کر مسلمانوں کے رواجات کے برعکس شکل دے رکھی ہے۔ ہمارے رواجات ہندوؤں کے رواجات سے مشابہت نہیں رکھتے بلکہ الٹ ہیں اور اگر اتفاق سے ان کا کوئی رواج ہمارے کسی رواج سے مشابہت رکھتا بھی ہے تو اس کے معانی قطعی الٹ ہوتے ہیں۔''

ہندو ذہنیت اور تعصب کی بات کرتے ہوئے البیرونی لکھتا ہے:

''ہندوؤں کے تمام تر تعصب کا نشانہ وہ لوگ بنتے ہیں جو ان میں سے نہیں یعنی جو نووارد (مسلمان) ہیں، وہ انہیں ملیچھ کہتے ہیں جس کے معانی ہیں غلیظ یا ناپاک، ان سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں رکھتے، نہ ان سے ازدواجی تعلق قائم کرتے ہیں اور نہ کسی قسم کا تعلق، نہ ان کے ساتھ بیٹھنے پر رضامند ہوتے ہیں نہ کھانے اور پینے پر۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ سمجھتے ہیں کہ پلید ہوجائیں گے، ان کے نزدیک ہر وہ شئے پلید ہے جسے مسلمانوں کی آگ یا پانی نے چھوا ہو اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی گھر ان دو فطری عناصر کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا، انہیں کسی غیر ہندو کو اپنے ہاں بلانے کی اجازت نہیں اگرچہ غیر ہندو اس دعوت کا کتنا ہی خواہشمند ہو یا ان کے مذہب کی طرف مائل ہی کیوں نہ ہو، ان حالات میں ان میں اور مسلمانوں میں کسی قسم کا تعلق قائم ہوسکنا قطعی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل ہے جو عبور نہیں کی جاسکتی۔''

اردو نثر نگاری کے ارتقاء میں امام احمد رضا خاں کا حصہ

پروفیسر رفعت جمال صاحبہ☆

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام احمد رضا جیسے عظیم دانشور، عالمِ دین، شاعر، انقلاب آفریں شخصیت کے مالک اور دیدہ ور کے لئے زمانے کو بڑی کروٹیں بدلنا پڑتی ہیں، صدیوں کا انتظار درکار ہوتا ہے، بے کیفی کے دور گزر تے ہیں تب کہیں اہلِ کائنات کو اہلِ ادب کو ایسی آفاقی شخصیت نصیب ہوتی ہے۔ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت کو جن لوگوں نے غیروں کی عینک سے دیکھا، غیروں کے کانوں سے سنا انہوں نے دھوکہ کھایا۔ اس کے برعکس جن حضرات نے حقیقت پسندانہ چشمے سے ان کی نگاہوں کو پڑھا، ان کی تحقیقاتِ علمی کا مطالعہ کیا وہ والہ وشیدا ہوگئے۔ چونکہ حقائق کے رخ پر تعصب وعناد کی چلمن زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتی، رخِ روشن کی اندرونی سطح سے سچائی جھلکتی ہے تو حق کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور تاریکی کا دامن چیر کر جنگل میں منگل کردیتی ہیں۔ فضاؤں میں ہر طرف اجالوں کا راج ہوتا ہے۔ انیسویں وبیسویں صدی میں فکرِ رضا کی تجلّی سے بھی نور کی کچھ ایسی شعائیں نکلیں کہ ان کے خاورِ افکار نے ہر دانش کدہ کو بقعۂ نور بنادیا اور اہلِ نظر کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

ہندوستان کا سب سے اہم صوبہ اتر پردیش ہے جو علمی وادبی اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں نہ صرف تہذیب وتمدن کا فروغ ہوا بلکہ علم وادب کا عروج بھی یہیں سے ہوا جس میں لکھنؤ کو امتیازی مقام حاصل ہے جہاں سے علم وہنر وزبان وادب کے چشمے رواں ہوئے تو اس شہر کے زیرِ اثر بدایوں، رام پور، مراد آباد اور بریلی خاص طور سے سیراب ہوئے جس سے یہاں زبان وادب کے درخت سرسبز وشاداب نظر آنے لگے۔

''بریلی'' جس کو روہیل کھنڈ کا دل کہا جاتا ہے، جس کی فضاؤں میں پہاڑوں کی سرد ہواؤں کا بسیرا ہے۔ اس شاداب بستی کے فرمانروا حافظ الملک رحمت علی خاں علم وادب کے بڑے دلدادہ تھے۔ ان کے ذوق وشوق نے بریلی کو اتر پردیش کا اہم علمی وادبی مرکز بنادیا۔ روہیل کھنڈ کی راجدھانی کا شرف بھی اس شہر کو حاصل ہوا۔ روہلوں کی تاریخ و تہذیب کچھ ایسی رہی ہے۔ یہ لوگ جنگجو، بہادر، نڈر تلوار کے دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ قول کے پکے اور کھرے ہوتے ہیں۔ تعلیمی اعتبار سے قدرے پست مگر پروازِ فکر اور لطافتِ احساس وجذبات کے اعتبار سے مقامِ اعلیٰ پر براجمان۔ یہاں کے اہلِ ادب اور معزز لوگوں کی تعلیم ابتداءً دینیات کے دائرے تک محدود تھی۔ بعد میں شاعری اور دوسرے علوم وفنون کی طرف بھی دھیان گیا۔ ابتدا میں کچھ لوگ انفرادی طور پر مذہبی تعلیم دیتے جن میں ایک اہم نام مولانا نقی علی خاں صاحب کا ہے جنہوں نے علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دیں۔ آپ بریلی کے ماحول پر چھاگئے۔ ان کے لائق فرزند مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان کی جانشینی کا حق ادا کیا اور مذہبیات کے ساتھ ساتھ ناقابلِ فراموش علمی وادبی خدمات انجام دیں اور کچھ ایسے کارہائے نمایاں کردکھائے جن کی بدولت ''بریلی'' کو ''بریلی شریف'' کا رتبہ حاصل ہوا۔ کاروانِ تحقیق نے اپنی تازہ ریسرچ کے ذریعہ اندازہ لگایا ہے کہ امام الہند احمد رضا خاں صاحب ایک سو آٹھ علوم وفنون کے ماہر تھے جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، ہندسہ، ریاضی، سائنس، فلسفہ، علم ہیئت، جفر، طبیعات، کیمیا، اقتصادیات، ارضیات، جغرافیہ، سیاسیات، علم مناظرہ، منطق، جبر ومقابلہ، نحو، صرف، علم معانی، علم بیان، علم صنائع، علم بدائع، قرأت، تصوف، سلوک، لغت، شاعری، ادب وغیرہ پر ان کو مکمل مہارت حاصل تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ان علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد آپ کی رسائل وکتب موجود ہیں جن میں چالیس فیصد کے قریب غیر مطبوعہ تصانیف بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب تا مشرق، عرب تا عجم، رضا صاحب کی فکر وفن، علم وحکمت اور شعر وادب کا ڈنکا بج رہا ہے۔ دنیا بھر کی پچیس سے زیادہ یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی شخصیت وفکر وفن پر

☆ صدر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس، انڈیا

تحقیقی کام کا عمل جاری ہے اور ان کی فکر کے نئے نئے گوشے ابھر کر سامنے آرہے ہیں کیوں کہ انہوں نے ایک مذہبی رہنما کا کردار نبھانے کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کے ارتقاء میں بھی ایک منفرد رول ادا کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عاشقی نے آپ کو بلند پایہ نعت گو شعراء کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آپ کی شاعرانہ عظمت پر بہت لکھا جا چکا ہے مگر نثر کے لامحدود سمند میں غوطہ زنی کی ہمت کم لوگ جتا پائے ہیں۔ چونکہ ان کی نثری تصانیف مختلف علوم وفنون سے متعلق ہیں اور ان پر قلم اٹھانے کے لئے اس میں مہارت کی ضرورت ہے جو ہماری نسل کے لئے ایک اجنبی سی چیز ہے۔ پھر بھی اہلِ قلم جانفشانی کر رہے ہیں، جن کی دسترس ہے اردو نثر کی ارتقاء میں ان کے مقام کے تعین کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر اس کا حق ادا کرنا بڑی مشکل بات ہے۔ میرے ادنیٰ قلم میں تو لڑکھڑاہٹ ہونے لگی جب تقریباً سو سے زائد ان کی تصانیف مذہبی کے علاوہ سائنسی علوم وفنون پر نظریں پڑیں تو میری پرواز خیال ۱۸۲۵ء کے اس ادارے پر جا کر رُک گئیں جس نے ادب کو سائنسی علوم وفنون کا بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے اور اردو کو علمی زبان بنانے کا حق نبھایا۔ فورٹ ولیم کالج اور تحریک سرسید کے درمیان کی نثر کی یہ بیچ کی کڑی ہے۔ ۱۸۲۵ء میں جب دہلی کالج کا قیام عمل میں آیا اس وقت یہاں اردو تصانیف کی تعداد اتنی تسلی بخش نہ تھی جو کسی ادبی تاریخ کی زینت بن سکے۔ یہاں جو سائنس کی کتابوں کے تراجم کئے گئے تھے اس نے اردو کو علمی زبان بننے کا شرف عطا کیا۔ سلیس وسادہ نثر نگاری کا جو پودا فورٹ ولیم کالج کے اہلِ قلم نے لگایا تھا اس کی آبیاری میں دہلی کالج کے اہلِ قلم نے بڑا اہم رول ادا کیا اور بڑے بڑے علمی وادبی مراحل طے کئے چونکہ اس کالج کا اہم مقصد یہ تھا کہ دیسی طلبہ کو انگریزی اور اگر ممکن نہ ہو تو ان کی اپنی زبان کے ذریعہ مغربی علوم وفنون سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ عام رواج کے مطابق ابتداء میں یہاں بھی عربی وفارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ طلبہ کا زیادہ تر وقت قرآن شریف پڑھنے، حفظ کرنے اور تعلیم فقہ حاصل کرنے میں گزرتا تھا۔

دہلی کالج کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہاں ذریعۂ تعلیم اردو تھا جو اس کی کامیابی کا ضامن بھی بنا۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم تو خیر اردو کے ذریعہ ہی دی جاتی تھی علاوہ اس کے دوسرے علوم یعنی مغربی سائنس، ہیئت، ریاضی، نیچرل فلاسفی وغیرہ کی تعلیم بھی اردو کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ اس ادارے نے نہ صرف اردو زبان میں تعلیم کی شاندار روایات ہی قائم کی بلکہ ایک نئی فضا تیار کردی اور مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ آج جو ہم نئے زمانے میں اپنی زندگی کی تشکیل اور مشرق کے امتزاج اور سائنسی سیکولر نقطۂ نظر پر زور دے کر کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا احساس بھی سب سے پہلے اسی ادارے نے کرایا تھا۔ اس کالج کی دو اہم خصوصیتیں یہ بھی رہی ہیں کہ یہاں کے سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں مشرقی السنہ اور علوم عربی، فارسی اور سنسکرت سب کی تعلیم ہوتی تھی۔ سارا رنگ مشرقی تھا۔ اردو کی ترقی اپنے شباب پر تھی۔ اس کی خدمات نے صرف زبان میں اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ زبان کو عصری تقاضوں کی راہ پر لا کھڑا کیا اور وہ لوچ اور دلکشی پیدا کی کہ اردو نثر کا رنگ دوبالا ہو گیا اور زبان میں نکھار پیدا ہو گیا۔

اس سوسائٹی کے ترجمے وتالیف کی تعداد سوا سو کے قریب ہے جو تاریخ، جغرافیہ، اصول و قانون، ریاضیات اور اس کی مختلف شاخوں، کیمسٹری، فلسفہ، طب و جراحت، نباتیات، معاشیات وغیرہ علوم وفنون نیز ادبیات پر مشتمل ہے۔ ان تراجم کے ذریعہ جو نئے الفاظ اردو میں شامل ہوئے اس سے اردو کو علمی زبان بننے میں مدد ملی۔ اردو نثر میں علمی اصطلاحی الفاظ کا اضافہ ہوا۔

اٹھارویں صدی کے نثری ادب کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ علماء کرام کی نثری خدمات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس صدی میں میرامن، شیر علی افسوس وغیرہ کی نثر نگاری پر خوب لکھا گیا لیکن علماء کی ان خدمات کو یک قلم نظر انداز کر دیا گیا جس کے مذہبی فروغ کے رسائل نے اردو ادب کو مالا مال کیا۔ حالآنکہ علماء نے کبھی بھی ادب لطیف کو اپنا موضوع نہیں بنایا لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں ان حضرات کے قلم سے جو مذہبی کتب اور دینی موضوعات پر دلپذیر تحریریں صفحۂ قرطاس پر بکھری ہیں انہوں نے اردو نثر کے ارتقاء میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ بیسویں صدی کے عناصر خمسہ پر خوب خوب لکھا گیا لیکن دینی علماء کے رول کو پردۂ اخفا میں ہی رہنے دیا جبکہ دنیوی علوم کے فاضلوں کی نثری خدمات، داستان، ناول، افسانہ، ڈرامے، غزل، نظم اور گیت

پرطبع آزمائی کو ہی نثر کی ترقی کا ضامن قرار دیا جاتا رہا۔ تاریخ ادبِ اردو کے مصنف ابتدأ صوفیائے کرام کا ذکر تو بڑی شد و مد سے کرتے ہیں مگر ان علماء کی کاوشوں سے نظریں چرالیتے ہیں جو سرسید، حالؔی، شبلؔی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ہم عصر رہے ہیں، ان صوفی صفت ادیبوں کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا یہ ناانصافی اور تنگ نظری کی دلیل ہے جس کا شکار احمد رضا بریلوی کی تصانیف بھی ہوئیں۔ اردو ادب کا اسکالر جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد کے نثری ادب پر نظر ڈالتا ہے تو دور تک اس کو دھندلکا ہی نظر آتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ جنگ آزادی سے قبل تو نثری ادب کی ترقی میں صوفیائے کرام کی ادبی کاوشوں کو سراہا گیا، عزت واحترام سے دیکھا گیا مگر اس کے بعد کی مذہبی خدمات کو فراموش کر دیا گیا جنہوں نے تبلیغ کے لئے جو زبان و ادب کا اسلوب اختیار کیا وہ اردو نثر کی ترقی میں بڑھتا ہوا قدم ثابت ہوا۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اردو ادب کا بڑا حصہ مذہبیات، صنعت وحرفت اور ان کی اصطلاحات کی صورت میں ہمارے درمیان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ زبان و بیان کے علاوہ حدیث وفقہ سے متعلق تمام مسائل اردو میں لکھے گئے یا تراجم کے ذریعہ اردو نثری ادب کا حصہ بنے۔ یہ کارنامہ دینی خدمت انجام دینے والے ادیبوں کا ہے۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے سے ادب کی بھرپور خدمت کی جس کا مقصد اولین تبلیغِ دین تھا جو بلا امتیاز مذہب وملت انسانیت کو راہِ راست پر لگانا چاہتا تھا جس میں اخلاقیات، تصوف وفقہ کی تعلیم بنیادی اہمیت رکھتی تھی۔ اس وقت کے اہلِ قلم نے انہیں چند موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ایک بڑا انقلاب یہ رونما ہوا کہ علمائے کرام کے کارنامے صفحاتِ تاریخ سے اوجھل ہو گئے۔ چونکہ انگریزوں نے اس جنگِ آزادی جسے وہ ''غدر'' کہتے تھے، کی ذمہ داری مذہبی رہنماؤں کے سر منڈھ کر پھانسی کی عام سزا سنادی تھی جس سے علماء کا خلا پیدا ہوا۔ بعد میں یہ علماء ہر دور میں موجود بھی رہے تو مؤرخوں نے اپنے خیالی فلسفہ کی بناء پر اردو ادب کی ٹکسال سے باہر رکھا۔ چونکہ اب فضاؤں سے مذہب کا رنگ اڑ چکا تھا، انگریز ہماری تعلیم اور معاشرت پر چھا گئے تھے اور انگریزی زبان کو معاشی ترقی ہی نہیں بلکہ معیشت کے اصول میں ایک بنیادی کلید مان لیا گیا تھا۔

سرسید نے مسلمانوں کی اس ترویج میں تن من کی بازی لگادی۔ اس روش کو ترقی پسند علماء اور فضلاء نے بڑا سراہا جس کے صلے میں ان کو سر اور شمس العلماء کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔ سرسید جدید اردو نثر کے بانی مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے دیگر علوم کے علاوہ اسلامی تاریخ، تفسیر، قرآن اور خطباتِ احمدیہ کی صورت میں سیرت النبی ﷺ کے عنوانات پر مشتمل نگارشات چھوڑی ہیں۔ پھر تہذیب الاخلاق کے مضامین بھی انگریزی ادب سے متاثر ہیں جو ان کی اصلاحِ معاشرہ کی تحریک میں شامل ہیں۔ سرسید کی تحریک کا بیشتر حصہ اصلاحی اور مذہبی ہے۔ ان کا ذکر اردو ادب میں ہمیشہ بڑے احترام کے ساتھ ہوتا ہے۔

محمد حسین آزاد کے یہاں بھی مذہبی اور اسلامی ادب کا امتزاج ہے۔ صرف ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے فن پارے ایسے ہیں جن میں دونوں تہذیبوں کا تصادم اور مغربی تہذیب کے مضر اثرات کی عکاسی ہے۔ انہوں نے اردو ادب میں بہت سے اصلاحی ناول اور افسانے یادگار چھوڑے ہیں تو دوسری طرف ترجمہ قرآن اور دیگر دینی مضامین ہیں۔ حالؔی نے سوانح نگاری سے اردو کو روشناس کرایا لیکن ان کا سب سے نمایاں، مسدس اور نثر میں دیباچۂ مسدس ہے جس کا موضوع تاریخ اسلام ہے۔ دوسری طرف مولانا شبلی نعمانی عناصر خمسہ میں واحد نثر نگار ہیں جن کی اکثر تصانیف دینی ادب کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ادب کے یہ عناصر خمسہ بھی صرف معمارِ ادب ہی نہیں بلکہ متعدد اسالیب بیان کے موجد بھی ہیں۔ اردو ادب کا کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس پر ان حضرات نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان میں سے ہر ایک تقابلی اعتبار سے ایک دوسرے پر بعض انفرادی خصوصیات کے باعث فوقیت رکھتا ہے لیکن ایک عنصر سب میں مشترک ہے کہ پانچوں کے یہاں دینی ادب میں یک گونہ آزاد خیالی نمایاں ہے۔ پھر بھی ایک نام ایسا ہے کہ اگرچہ عناصر خمسہ میں شامل نہیں جس نے اسلامی علوم وفنون سے لے کر تمام علوم وفنون پر اپنی چھاپ چھوڑی، وہ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ ہیں، جنہوں نے اپنی اٹھارہ سال کی عمر یعنی ۱۸۵۰ء میں اپنی حساب سے متعلق پہلی کتاب تحریر کی جس کو اردو کا اقلیدس ثانی کہا گیا۔ ان کا زیادہ تر کام تراجم پر مبنی ہے۔ احمد رضا خاں اور ان کا زمانہ قریب

قریب ہے۔ احمد رضا بریلوی ۱۰ ارشوال ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ایسے ماحول میں انہوں نے تیرہ سال کی عمر میں مختلف علوم و فنون میں بڑی مہارت حاصل کرلی۔ مولانا محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''۱۳ ربرس کی مختصر عمر میں ۱۲۸۲ھ میں والد ماجد سے درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۲۹۰ھ کے بعد تھوڑے دنوں رام پور مین قیام کر کے مولانا عبد العلی ریاضی داں سے شرح چغمنی کے چند سبق پڑھے۔'' (تذکرہ علمائے اہلسنّت۔ ص: ۴۲۔۴۳)

مولانا احمد رضا صاحب نے علوم درسیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بھی مہارت حاصل کی اور بعض علوم وفنون میں تو خود ان کی طبع سلیم نے رہنمائی کی۔ انہوں نے جن علوم وفنون پر دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ سے متجاوز ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے صرف تحصیل ہی نہیں کی بلکہ ہر ایک علم وفن میں اپنی کوئی نہ کوئی یادگار چھوڑی ہے۔ مولانا صاحب نے اپنی پوری زندگی تصنیف و تالیف کی نذر کردی۔ حالآنکہ ان کا خاص موضوع اسلامیات رہا لیکن دوسرے علوم میں بھی انہوں نے اپنی جودت طبع اور ذہانت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آگے چل کر اہلسنّت مکتبۂ فکر کے بانی قرار پائے جسے بعض حضرات بریلوی مکتبۂ فکر سے معنون کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو میں بھی بہت کتابیں لکھیں جن کی تعداد چار یا پانچ سو تک آجاتی ہے جن کی تلاش وجستجو جاری ہے۔ آپ کے اسلاف دورِ مغلیہ میں قندھار سے ہندوستان آئے تھے۔ دادا مولانا شاہ رضا علی خاں اپنے وقت کے بے مثل عالم اور ولی تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بھی بڑے عالم تھے۔ ان دونوں کا اثر آپ نے بخوبی قبول کیا۔ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کوثر نیازی صاحب تحریر کرتے ہیں:

''وہ بیک وقت ایک عظیم ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، مناظر بھی تھے اور متکلم بھی، محدث بھی تھے اور مفسر بھی، فقیہ بھی تھے اور سیاست داں بھی۔''

رواں صدی کے اوائل میں سرزمین بریلی میں علم وحکمت کی ایسی عظیم ہستی رونما ہوئی جسے احمد رضا کے نام سے ساری دنیا جانتی ہے۔ علم وفن میں وہ ایسی شخصیت تھے کہ فقہ متحیر اور عقل حیران کہ کون سا وہ علم ہے جس پر آپ کی دسترس نہیں۔ ایک بڑی تعداد ایسے علوم کی ہے جن میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ ان کے بعد ایسا عالم وحید ذہین ادیب پیدا نہیں ہوا۔ تاریخ کا کتنا بڑا انکشاف ہے کہ زمانے نے جسے مولوی سمجھا آج کے ماہرین اس کی علمی تحریریں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ خود علم جفر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علم جفر نہ کسی استاد سے سیکھا نہ کسی سے مذاکرہ ہوا۔''

پھر اس میں وہ اپنی راہ خود نکال لیتے ہیں جو سب کے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے موضوع کے مطابق انداز واسلوب اختیار کیا اور اقلیم نثر کے شہریار بن گئے۔ جو کام مولوی ذکاء اللہ نے تراجم سے کیا ان علوم وفنون پر تخلیقی کام کا شرف احمد رضا بریلوی کو حاصل ہوا جنہوں نے پہلی بار سائنس کے بہت سے نظریات سے اختلاف کر کے بڑے اہم رسائل کی تخلیق کی۔ ''فوزِ مبین در حرکت زمین'' میں لکھا کہ زمین ساکن ہے، جب کہ سائنسدان مانتے ہیں کہ زمین گھومتی ہے۔ جب لوگوں نے پڑھا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس نظریئے سے باز آجائیں لیکن بھلا احمد رضا صاحب ماننے والے کب تھے۔ اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محبِّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات از کار کے ذریعہ سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل میں اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو پامال و مردود کردیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال واسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہم سائنس داں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں۔ آپ اسے بچشمِ پسند دیکھتے ہیں۔ (زمین ساکن ہے۔ ص: ۱۴۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

یہ عبارت پروفیسر مولانا حاکم علی اسلامیہ کالج، لاہور کے خط کے جواب میں لکھی گئی ہے، جس میں انہوں نے امام احمد رضا صاحب کو حرکت زمین کا قائل ہونے کی درخواست کی تھی مگر رضا صاحب اپنے نظریئے سے پھرنے والے کب تھے۔ انہوں نے قرآنی آیات اور تفاسیر سے حاکم صاحب کے دلائل کو کاٹ کر ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و

آسمان'' جیسے رسالہ کی تخلیق کی۔ نہ صرف حکیم صاحب کے دلائل کو کاٹا بلکہ سائنس دانوں کے نظریات کو رد کیا۔ کیونکہ آپ نے جو سمجھا وہی آپ کے خیال میں ٹھیک تھا اور اپنے نظریئے کو انہوں نے ۱۰۵ مختلف سائنسی دلائل سے ثابت کیا اور مدلل بحث کی۔

امام احمد رضا کی تعداد تصانیف بہت بڑی ہے لیکن انہوں نے نہ انگریزی اثر قبول کیا اور نہ ہی آزادی اپنائی اور نہ ہی افسانہ یا ناول کو اپنی کاوش کے لئے چنا۔ بلکہ اپنی تصانیف میں سائنسی موضوعات کو اسلام کے زیر نگیں قرار دیا اور کامیابی حاصل کی۔ رسالہ ''زمین ساکن ہے'' میں لکھتے ہیں:

''اہلِ اسلام نے آفتاب کا اپنے مدار میں رہ کر ایک جگہ سے سرکنے کو زوال کہا۔ اگر زمین متحرک ہوتی تو یقیناً ایک جگہ سے اس کا سرکنا ہی زوال ہوتا اگرچہ مدار سے باہر نہ جاتی لیکن قرآن عظیم صاف ارشاد میں اس کے زوال کا انکار فرما رہا ہے تو قطعاً واجب کہ زمین اصلاً متحرک نہیں بلکہ خود ہی زوال کہ قرآن وحدیث وفقہ وزبان جملہ مسلمین سب میں مذکور، قائلان دورۂ زمین اسے زمین کا زوال کہیں گے۔'' (ص:۱۹)

یہ عبارت شاہد ہے کہ امام احمد رضا صاحب کا ایک فکری نصب العین ہے۔ ان کے مذہبی رسائل اور علمی تصانیف کی زبان موقع ومحل کے مطابق تبدیل ہوجاتی ہے اور جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ پیدا ہوجاتا ہے جو عربی، فارسی تراکیب اور الفاظ کی چاشنی کے باجود کانوں پر بار نہیں ہوتا۔ مثلاً:

''زیرِ نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں، ایک کاشمس الضحیٰ اور دوسرے کاالقمر اذا تلھا۔ جو شخص صحت مند آنکھ اور قابلِ نورِ علم دل رکھتا ہے اس کی بصارت اور بصیرت کو ان ستاروں کی کاشف ظلمات تجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیا اور مبارک ہو۔''

(مجموعۂ رسائل ردِّ مرزائیت۔ امام احمد رضا۔ جامعہ رضویہ، لاہور۔ ص:۱۲۹)

آپ کے عہد میں علی گڑھ تحریک کے زیر اثر سلیس اور بامحاورہ نثر نگاری کی داغ بیل پڑ چکی تھی مگر بہت سارے اہلِ قلم پرانی روش کو برقرار رکھتے ہوئے صنائع وبدائع کا استعمال کرتے تھے۔ اپنی قادر الکلامی اور زورِ بیان کی نمائش کی غرض سے مقفٰی عبارت آرائی کے بھی دلدادہ تھے مگر احمد رضا بریلوی نے ایسی پُرتصنع عبارت آرائی سے گریز کیا۔ ممنوع طرزِ بیان کو گلے نہیں لگایا۔ ان کا مقصد تو دین کی تبلیغ وتجدید تھا لہٰذا انہوں نے ہر جگہ فطری انداز بیان اختیار کیا پھر بھی کہیں کہیں ان کا فرسِ قلم ادب لطیف کی بہاریں دکھاتا ہوا نکل گیا اور بے ساختہ مقفٰی جملے نوکِ قلم پر آ گئے۔

''نصوص کے دریا میں جھلکتے اور مصطفیٰ ﷺ کے چاند چمکتے اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے اور ایمان کے تارے جھلکتے اور حق کے باغ مہکتے اور تحقیق کے پھول مہکتے اور ہدایت کے بلبل چہکتے اور نجدیت کے کوئے مہکتے اور وہابیت کے بوم بلکتے اور مذموم گستاخ پھڑکتے۔''

(خالصۃ الاعتقاد۔ امام احمد رضا۔ ص:۴۷۔ سنی رضوی اکیڈمی)

آپ نے ریاضی ہیئت، فلسفہ قدیم وجدید اور دیگر سائنسی علوم پر جو کتب و رسائل لکھے وہ دنیوی غرض وشہرت کی خاطر نہیں لکھے گئے بلکہ خدمت دین کے لئے ان کی تخلیق کی، انہوں نے ہر علم اور فن کو پرکھا جسے قرآن نے کھرا بتایا اسے تسلیم کرلیا اور جو نظریہ، نظریۂ قرآن سے متصادم ہوا، اس کو رد کیا۔ انہوں نے توقیت، جفر، تکسیر، نجوم، الجبرا، جیومیٹری، اسٹرونامی، فزکس، کیمسٹری وغیرہ پر جو متعدد کتابیں تصنیف کیں وہ شاہد ہیں کہ ایک عالم دین کہ بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا دائرۂ فکر دوسرے علوم وفنون کو بھی اپنے گرفت میں رکھے۔ ۱۹۱۱ء سے پہلے ڈاکٹر ضیاء الدین نے علم مربعات سے متعلق ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری رام پور میں شائع کرایا جس کا جواب رضا صاحب نے بروقت شائع کرادیا اور اپنی طرف سے بھی ایک سوال لگادیا جس کو پڑھ کر ضیاء الدین صاحب حیرت میں پڑ گئے کہ ایک مولوی نے نہ صرف جواب دیا بلکہ الٹا سوال بھی پیش کردیا۔ اس طرح سے دونوں کا غائبانہ تعارف ہوا۔ اس کے بعد وہ سید سلیمان اشرف بہاری کے بہت زیادہ اصرار پر ریاضی کا ایک حل نہ ہونے والا مسئلہ دریافت کرنے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلی بخش جواب پاکر باغ باغ ہوگئے۔ علم ہیئت اور نجوم میں بھی آپ نے حرکت زمین ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء خاص طور سے امریکن نجومی کی پیش گوئی رد کرتے ہوئے تحریر کیا جس

کا نام نزول آیات قرآن بسکون زمین وآسمان رکھا۔ ان کی یہ کاوش صرف مذہبیات اور مختلف علوم تلک محدود نہیں، وہ سیاسی اور سماجی شعور بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف معاشرے کی اصلاح کے لئے مہم چھیڑی بلکہ سیاسی پہلو پر بھی غور وفکر کیا۔ اس سلسلہ میں ان کی اہم تصنیف اعلام الاعلام بأن ہندوستان دارالاسلام ہے (۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء) اور سود کو حرام بتایا۔ اپنے ایک خط میں بھی سود کے بارے میں ذکر ان الفاظ میں کیا:

''سود لینا مطلقاً حرام ہے۔ مسلم سے یا کافر سے، ہاں اگر ڈاک خانے میں یہ جمع کرے اور ڈاکخانہ اس پر جو کچھ زائد دے، اسے سود کی نیت سے نہ لے بلکہ یوں کہ ایک براضائے غیر مسلم بلاعذر ملتا ہے تو لے لینا جائز ہے۔'' (کتاب معارف رضا۔ ص:۱۵۳)

اسی طرح بہت سے دوسرے مسائل پر بڑی دیانت داری سے اپنی تحقیق پیش کی ہے، علوم وفنون میں ان کی تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع کے مطابق انداز و اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کو زبان و بیان پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ وہ عربی اور فارسی کے ماہر ہی نہیں بلکہ خالص ہندوستانی الفاظ ومحاورات پر قدرت رکھتے تھے۔ روزمرّہ کی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتے، بے تکان لکھتے جاتے، کبھی کبھی تو نثر میں شاعری کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً

''تجلیِ جمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے۔ جب یہ قلبِ عارف پر واقع ہوتی ہے، دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں، یا بہار کے مہینہ سے درختوں کی کنچھیاں اور تجلیِ جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخوف وتاب۔ جب اس کا ورد ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے۔''

(کشف حقائق واسرارِ دقائق۔ امام احمد رضا۔ ص:۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''علم وہ نور ہے کہ جو شے اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی اور جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔''

یعنی جو لکھا جائے وہ ذہن میں ہو ورنہ علم بے کار ہے جس سے فیض حاصل نہ ہو۔ لہٰذا اسہل وآسان الفاظ کا استعمال کر کے انہوں نے اپنی بات قاری تک پہنچائی۔ بعض الفاظ تو انہوں نے ایسے استعمال کئے ہیں کہ میرامّن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ ان الفاظ کو اپنی تحریر میں جگہ نہیں دیتے تو آج کسی کو یاد بھی نہ ہوتے۔ مثلاً کھنگالنا، پتورانا، باڑا، اندھیرا یا کچھ کورا کرنا، بس کی گانٹھ وغیرہ۔ آج یہ بہ کثرت استعمال ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی نثر میں وہ جاذبیت اور دل نشینی ہے کہ ان کا اسلوبِ بیان دل کی گہرائیوں اور احساسات کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے۔ رضا صاحب نے اپنے نسب العین عقائد اور تبلیغ دین کی خدمت کے لئے جس زبان کو چنا وہ اردو ہی ہے۔ وہ اردو ادب کے رمز شناس تھے۔ ہر موقع پر وہی اسلوب اختیار کیا جو اس کا تقاضہ تھا۔ وہ بڑی غور وفکر کے بعد قلم اٹھاتے تھے۔ ان کے اسلوب میں دلائل کی کثرت ہوتی ہے مگر کثرت دلائل سے اسلوب کی شگفتگی کو کہیں مجروح نہیں کیا۔ نثر میں ان کا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ایک رسالہ 'میز العین' ۱۳۰۱ھ میں تقویۃ الایمان پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''وہابیت کا بھاگ، نجدیت کا ہول، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے۔ زور گھنگھور، شرارتوں کا شور، سارا جہاں زرا پور، پرنو کی قید نہ اماوس پہ چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماس جاری رہے گا۔''

عربی اور فارسی مسلمانوں کی مذہبی اور تہذیبی زبانیں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دونوں کے مستقبل کو گہن لگ چکا تھا اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی ختم ہی ہو رہا تھا۔ رضا صاحب نے ۱۸۶۸ء میں ان دونوں زبانوں کو اپنی تخلیق و تحقیق کے لیے چنا۔ یہ ان زبانوں سے ان کی عقیدت ومحبت کا ثبوت ہے۔ آپ کے زمانے میں عربی وفارسی خواص کی زبان تھی۔ اردو عوام کے دلوں پر راج کر رہی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں ان کی تصانیف کو مقبولِ عام حاصل نہ ہوسکا اور اپنے دور میں خواص کے دلوں کی دھڑکن بن کر رہ گئیں مگر انہوں نے اردو پر بھی خاص توجہ مرکوز کی اور ان کے اشہب قلم نے وہ جوہر دکھائے کہ زمانہ ششدر رہ گیا۔ ۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۰ء تک تقریباً پچاس سال کا عرصہ ایسا ہے جس میں انقلاب کے بعد اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے، جس میں سرسید کا بول بالا ہے۔ انہیں کو اردو ادب کا بانی اور انشاء پرداز شمار کیا گیا اور

ان کے ہم عصر مذہبی علماء کرام کو یکسر نظر انداز کر دیا جنہوں نے اردو نثر میں تحقیق وتدقیق کی راہ نکالی اور بساطِ ادب کو اپنے نثری کارناموں سے ایسا سجایا جس کی نظیر نہیں ملتی جو اردو کے مذہبی ادب کا بہترین خزانہ ہے جس کے بغیر تاریخ ادبِ اردو کا حسن پھیکا پڑتا نظر آتا ہے۔ ایسے ہی باکمال حضرات میں ایک نام احمد رضا خاں بریلوی کا ہے جن کی کاوشوں پر دبیز پردے پڑے رہ گئے۔ جن کے ادبی دامن میں علوم وفنون کا بڑا خزینہ ہے جن کی تعداد ہزار کے قریب ہے اور تحسین مولانا رضا خاں صاحب کے مطابق ابھی کچھ تصانیف غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ ان کی سب سے اہم اور ضخیم کتاب فتاویٰ رضویہ ہے جس کی بارہ ضخیم جلدیں ہیں (جس کی اب جدید انداز میں تخریجات و حواشی کے ساتھ ۲۸ ضخیم جلدیں رضا فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع ہو چکی ہیں) جس میں اردو نثر کے جواہر پارے پوشیدہ ہیں۔ انہوں نے عشقِ رسول سے سرشار ہو کر قرآن مجید کا ترجمہ فصاحت و بلاغت کو مدنظر رکھ کر بہت ہی محتاط انداز میں نہایت سلیس اور شگفتہ اور روزمرہ کی زبان میں کیا جو اردو نثر کا عظیم شاہکار ہے۔ علمِ فقہ میں احمد رضا خاں صاحب نے جس باریک بینی سے کام لیا وہ ان کی گہری نظر اور موضوع پر مہارت کی مثال ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ایک جگہ پانی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۱۶۰ قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے اور ۱۴۶ صفات وہ بیان کی ہیں جن سے وضو جائز نہیں ہوتا۔ اسی طرح تیمم کا بیان ہے۔ فتاویٰ رضویہ کا مسودہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ کتنا وسیع علم ہے اور ایک باکمال فقیہ ہونے کے لئے کس قدر علوم وفنون سے واقفیت ضروری ہے۔ رضا صاحب کے بعض فتاویٰ مختلف علوم وفنون پر مستقل رسائل کی شکل میں موجود ہیں۔ حوض کی مقدار دہ در دہ اور زراع سے متعلق بحث پر ان کا یہ فتویٰ الھنئ النمیر فی الماء المستدیر ریاضیات پر ان کا ایک تحقیقی مقالہ لگتا ہے۔ علم حدیث میں بھی خاں صاحب کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ فتاویٰ رضویہ اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ اس کے مطالعہ سے علمِ حدیث میں مولانا صاحب کی غیر معمولی آگہی اور مہارت کا احساس ہوتا ہے۔

اس وقت اردو زبان اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی جس شکل میں آج ہے مگر ان کے اندازِ بیان اور طرزِ تحریر سے یہ بڑا گمان ہوتا ہے گو آج ہی لکھا گیا ہو۔ یہی چیز ان کے اسلوب کو امتیازی رنگ عطا کرتی ہے۔ ان کو کلام پاک سے غیر معمولی عاشقی تھی جس کے لئے انہوں نے اپنی حیات وقف کر دی تھی اور ان کے فکر وتدبر نے ایک اعلیٰ معیار کا ترجمہ اردو کو عطا کیا تھا۔ سورۂ ضحیٰ کی بعض آیتوں کی تفسیر چھ سو صفحات تک لکھ چھوڑی لیکن علمی و دینی مشاغل کی مصروفیات نے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں دی مگر ان کے تلامذہ نے اس کام کو بخیر وخوبی انجام دیا جس میں تفسیر حسنات، تفسیر نعیمی، تفسیر ازہری وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

احمد رضا صاحب بلا کے ذہین تھے، ان کی قوت حافظہ کی بڑی مثال یہ ہے کہ ایک ہی نشست میں بغیر کسی مدد کے صرف آٹھ گھنٹے میں مبسوط اور محققانہ مقالہ ''الدولۃ المکیہ'' عربی زبان میں تحریر کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۰۵ء دورانِ حج پیش آیا) آپ کی سیاسی بصیرت سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ اس دور کی سیاسی صورتحال کے مدنظر آپ نے بڑے اہم فیصلے کئے۔ ان کا ایک اہم رسالہ 'دوام العیش' ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترکِ موالات شروع ہوئی جو تحریکِ خلافت ۱۹۱۹ء کا تتمہ کہی جا سکتی ہے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کا جو ایک طوفان اٹھا تھا وہ اب شباب پر پہنچ گیا۔ مسلم عوام وخواص اپنی سادگی اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس کے مضر اثرات کو محسوس نہیں کرتے تھے مگر رضا صاحب نے یہ بات شدت سے محسوس کی۔ مسلمانوں کو ایسے اتحاد سے باز رہنے کو کہا جو ان کی سیاست ومعیشت اور مذہب سب کو برباد کر دے۔ لہٰذا شدید علالت کے باوجود ایک رسالہ لکھ کر مسلمانوں کو اس اتحاد سے روکا اور مخالفین کے عزائم سے خبردار کر دیا اور مسلمانوں کو آپس میں اتحاد واتفاق کی تعلیم پر زور دیا۔

اردو میں خطوط نگاری بڑا اہم فن رہا ہے۔ آج ٹیلیفون اور سیل فون نے تو اس فن کو خطرہ لاحق کر دیا ہے۔ کوئی قلم اٹھاتا ہی نہیں بس دو منٹ بات کی اور ساری شکایت رفع مگر یہ فن اعلیٰ تحریر کو جنم دیتا ہے۔ لکھنے کی تحریک ملتی ہے۔ خطوط صرف شخصیات کا آئینہ نہیں ہوتے بلکہ بہت سے مسائل کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کے شاہی ادیبوں میں آئینۂ اکبری کے مصنف اور اکبر کے نورتن ابوالفضل کے خطوط کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ چوں کہ مذہبی واخلاقی تعلیم اور فلسفہ وتصوف کے رموز ونکات کی تشریح کے لئے ہمارے صوفیائے کرام نے مکتوب نگاری کو اپنایا، لوگوں کی رہنمائی کی۔ مکتوب نگاری پر مشتمل عظیم سرمایہ اہلِ ادب کی تشنگی کا سامان مہیا کرتا

ہے۔ علماء اور صوفیا کے خطوط اپنی روحانی برکتوں، علمی بحثوں اور مذہبی حقیقتوں کے سبب ایک صحیفہ تصور کئے جاتے ہیں (مکتوباتِ مجدد الف ثانی اور مکتوبات یک صدی دوصدی اس کا بہترین نمونہ ہیں)۔ اردو میں مکتوب نگاری کا موجد غالبؔ کو مانا جاتا ہے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ ایسا چلا کہ خطوط کی ادبی حیثیت مسلّم ہوگئی۔ سرسید کے خطوط، حالیؔ کے مکاتیب، محسن الملک کے مکتوبات، اکبر مرحوم کے عنایت نامے اور مولانا شبلی کے مکاتیب کے علاوہ حضرت امام احمد رضا کے خطوط میں بھی انشاء پردازی کی جھلک ملتی ہے۔ خاص طور سے ابوالکلام آزاد کے خطوط کے مجموعے 'غبارِ خاطر' کی اشاعت نے علمی نثر کو ادبی رنگ و آہنگ میں روشناس کرایا جس سے اردو خطوط نویسی کے وقار کو چار چاند لگ گئے تو دوسری طرف احمد رضا صاحب کے خطوط کی افادیت مسلّم ہے۔ آپ کے خطوط میں بے شمار حقائق و معارف و مسائل دینیہ کے گوہر آبدار نمایاں ہیں جس میں معاشرتی زندگی کے حل بھی مل جاتے ہیں تو دوسری طرف ان کے مکاتیب اسلامی احکام کی پیروی کا جذبہ بھی ابھارتے ہیں اور انشاء پردازی کی جھلک بھی ان کی تحریروں میں جلوہ گر ہے اور تحریر میں الفاظ کے صوتی آہنگ سے لطف و خوشی کا احساس جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

''دعائے جناب و احباب سے غافل نہیں اگر چہ منہ دعا کے قابل نہیں، اپنے عفو و عافیت کے لئے طالب ہوں کہ سخت محتاج دعائے صلحا ہوں، اجل نزدیک اور عمل رکیک۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔''

یہ مولانا عبد السلام کے نام خط سے اقتباس ہے جس میں قافیہ کا التزام ہے۔ اس کے علاوہ ان کی انکساری کا احساس اور بے ثباتیِ حیات کا درس بھی ملتا ہے جو دعوتِ فکر دیتا ہے اور علم و عرفان کی فضائے دلکش میں ذہن ہچکولے لینے لگتا ہے۔

اردو کی جدید علمی نثر جس کو سرسید اور ان کے ہمنوا ذکاء اللہ نے پروان چڑھایا، اس کی آبیاری آگے چل کر امام احمد رضا بریلوی نے بھی کی۔ ذکاء اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں بیٹھ کر وہ لکھتے تھے وہاں دیوار میں ایک گڑھا پڑ گیا تھا، یہی معاملہ امام احمد رضا کی تحریر کا ہے۔ دونوں علم ریاضی کے ماہر، سائنس کے دلدادہ، دونوں کثیر التصانیف، لہٰذا سرسید سے زیادہ مولوی ذکاء اللہ کو مولانا احمد رضا بریلوی کی ذہنی و فکری سطح طور پر قریب سمجھتی ہوں۔ [۱]

سرسید کے عناصر خمسہ میں سے کسی کا کام احمد رضا بریلوی کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ سب کے میدان جدا جدا اور انداز بھی منفرد ہیں۔ ذکاء اللہ اگر ان کے برابر نہیں تو قریب تر ضرور ہیں۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے مضمون میں قلم برداشتہ لکھنے والوں میں پنڈت سرشار کا نام لیا ہے۔ وہ اپنے میدان کے شہ سوار ضرور ہیں لیکن اردو ادب میں امام احمد رضا صاحب کا ایک ہمسر وہ ہے جو مختلف علوم و فنون کا ماہر ہے۔ خیالات کی سادگی اور ان کے تعلیمی مشن کے بہت قریب نظر آتا ہے، وہ مولوی ذکاء اللہ صاحب ہیں جو سرسید کے قریب ہونے کے باوجود مشرقی تہذیب کے دلدادہ ہیں اور اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

احمد رضا بریلوی کو تاریخ گوئی سے بھی خاصہ لگاؤ تھا۔ اردو میں شبلی کو تاریخ کا امام مانا جاتا ہے لیکن ذکاء اللہ رہنمائے اول تھے۔ چوں کہ ان کی تاریخ سے قبل اردو میں تاریخ نگاری کی کوئی کتاب نہ تھی۔ یوں تو وہ سائنس کے طالب علم اور ریاضی داں تھے۔ علم و ادب اور علوم و فنون کا ہر شعبہ ان کی شمعِ علم سے منور ہو رہا تھا۔ جبکہ تاریخ کی گلیاں بڑی تنگ و تاریک ہوتی ہیں لیکن ان کے ذہن و فکر نے اس کوچے میں بھی قدم رکھا اور اٹھارہ ضخیم جلدیں تاریخ کی یادگار چھوڑیں۔ امام احمد رضا کی زندگی بہت مصروف تھی۔ مذہبی تصانیف اور رسائل کا بڑا بار ان کے کاندھوں پر تھا۔ لیکن تاریخ گوئی میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ قلم برداشتہ اور برجستہ لکھتے یا املا کراتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کا تحریر کردہ تاریخی مادہ غلط ثابت ہوا ہو۔ آپ کی تصانیف و رسائل کے نام بھی تاریخی ہیں۔

امام احمد رضا عربی و فارسی زبان کے جید عالم تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی نثر عربی و فارسی کے چنگل سے آزاد نہیں۔ بات غلط بھی نہیں انہوں نے جن موضوعات کو چنا وہاں عربی اور فارسی کے بغیر کام نہیں چل سکتا

---

[۱] مولوی ذکاء اللہ صاحب اور امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ میں ایک بیّن اور امتیازی فرق یہ ہے کہ مولوی صاحب کی زیادہ تر نگارشات کا تعلق علوم و فنون کی دیگر زبانوں کی کتب کے ترجمہ سے ہے جبکہ امام رحمہ اللہ کی عربی، فارسی، اردو میں متعدد علوم و فنون کے موضوعات پر کتاب ان کی اپنی تخلیقی کاوش ہے، دوسرے یہ کہ مولوی ذکاء اللہ صاحب کے افکار و خیالات سرسید کے افکار اور مذہبی خیالات سے بہت حد تک ہم آہنگ تھے، جبکہ امام موصوف نے سرسید کے عقائد اسلام سے متصادم افکار و نظریات پر زبردست تنقید کی ہے اور اپنی تحریروں میں جگہ جگہ ان کا تعاقب کیا ہے۔ (مدیر اعلیٰ)

تھا یعنی علوم شرعیہ کو عربی فارسی الفاظ سے آزاد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر آپ ماہر زبان داں تھے۔ آپ جانتے تھے کہ کہاں کون سا لفظ لانا ہے۔ لہذا جس لفظ کو مناسب سمجھا استعمال کیا۔ پھر فصاحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔

''ان کے اور ان کے بعد اصحاب سید المرسلین ﷺ اجمعین ہیں اور انہی میں حضرت جگر پارۂ رسول خاتون جہاں بانو جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اور اس دو جہاں کی آقازادی کے دونوں شہزادے عرش کی آنکھ کے تارے چرخ سیاست کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول دونوں قرۃ العین رسول امامین کریمین، سیدین، شہیدین، تقیین، نقیین، نیرین، طاہرین ابو محمد حسن و ابو عبداللہ حسین۔''

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں الفاظ کی بھول بھلیاں میں پھنس کر نثر کو مشکل نہیں بنایا بلکہ صاف شستہ الفاظ میں اپنے مقصد کی وضاحت کردی البتہ عربی فارسی کے الفاظ معانی کی راہ میں خلل انداز ہوتے ہیں لیکن ان کی تحریر کا عام رنگ عوام پسند اور زبان سادہ ہے۔ موقع ومحل کے مطابق اس میں تبدیلی رونما ہوتی رہی ہے۔ قلم برداشتہ لکھتے لکھتے کبھی کبھی عاری نثر کے ساتھ ساتھ نثر مقفّی بھی لکھ دی۔ نثر میں ہزار ہا صفحات لکھے، بڑی بڑی تحقیقات سے کام لیا اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ فخرِ زمانہ ہوئے۔ موضوع کے اعتبار سے زبان کہیں کہیں دقیق اور پیچیدہ ہوگئی ہے مگر ان کے طریقۂ استدلال نے اس کو پُر اثر اور پُر لطف بنادیا۔ آپ نے قدیم وجدید علوم وفنون پر خامہ فرسائی کی اس لئے ان کا اسلوبِ تحریر بھی ہمہ جہت پہلو لئے ہوئے ہے۔ آپ سے جس زبان میں سوال کیا گیا جواب بھی اسی زبان میں حاضر ہوا۔ چاہے وہ اردو ہو، عربی یا فارسی، انگریزی سے بھی کبھی آپ نے گریز نہیں لیا۔ ان کی علمی تحریر کو دیکھ کر اس کو ماننا پڑتا ہے۔ ان کی علمی وادبی خدمات کا دائرہ بہت اہم اور وسیع ہے۔ آپ مختلف اصنافِ ادب کے صاحبِ طرز انشاء پرداز ہیں۔ آپ کے یہاں زبان کی صحت کے ساتھ سلاست وسادگی، پاکیزگی وصفائی کا دریا بہتا نظر آتا ہے۔ آپ کے یہاں زبان کی گلکاریاں بھی ہیں، محاورات کے گل بوٹے بھی۔ آپ الفاظ ومعانی کے بادشاہ ہی نہیں بلکہ زبان وبیان کے رمز شناس بھی ہیں۔

عربی، فارسی کے ساتھ مقامی زبانوں کا صاف وستھرا ذوق بھی آپ کی تحریر میں جھلکتا ہے۔ آپ کی تصانیف آپ کے عہد کی سچی ترجمان ہیں چوں کہ ایک سچا فنکار جو کچھ دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے، جو اس پر گزرتی ہے، اردگرد جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اپنی زبان میں اپنے انداز سے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں بیان کرتا ہے۔ یہ خوبی امام احمد رضا کی تحریروں میں بدرجۂ اتم موجود ہے جن میں آپ کی مکمل شخصیت جلوہ گر ہے جس کی وجہ سے آپ کی تصانیف حیات جاودانی حاصل کرچکی ہیں اور ان کے اسلوب میں قوس وقزح کے حسین رنگ سمٹ گئے ہیں۔ زبان کی سلاست اور زبان کی نیرنگی کے ساتھ ہی مضامین کی عظمت نے بھی مولانا احمد رضا کی نگارشات کو دیگر اہلِ علم پر فوقیت دی۔ چوں کہ ان کی فکر کے سُوتے ذہن سے نہیں بلکہ قلب کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہیں۔ آپ کے یہاں فن کے وہ تمام محاسن موجود ہیں جو ایک صاحبِ طرز ادیب کی نثر کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی اردو لکھنوی کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے۔ آج کل ہم اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ اردو اس قابل بھی ہے کہ سائنسی اور قانونی موضوعات پر لکھا جائے لیکن امام احمد رضا بریلوی کی سائنسی اور علمی تصانیف دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کا دامن بے حد وسیع ہے، ان کی نثری خدمات کا پلہ بہت بھاری ہے لیکن سرسید کے ہم عصر ہونے کے باوجود ان کی نثری خدمات کا چرچا کم ہوا۔ یہ نثری ادب کی بدقسمتی کہی جاسکتی ہے ورنہ ان کی خدمات تو بہت اعلیٰ وعظیم ہیں اور نثری ادب کا چرچا کرتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ ۔

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

روئداد تقریبِ تفویضِ کتب، جامعہ کراچی

رپورٹ: علیم ظفر (لیگل ایڈوائزر)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل وقتاً فوقتاً مختلف ادارہ جاتی اور پبلک لائبریریوں میں یادگاری تعلقات اور تخلیقاتِ اسلاف کو محفوظ و مستحکم رکھنے اور اہلِ علم تک علمِ نافع کی امانت پہنچانے کے لئے اپنی مطبوعات کو تحفتاً پیش کرتا رہا ہے۔ اب تک جن بڑی لائبریریوں کو با قاعدہ ایک تقریب کے ذریعہ کتب فراہم کی گئی ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ سندھ ہائی کورٹ لائبریری، کراچی

۲۔ مدینۃ الحکمت ہمدرد لائبریری، کراچی

۳۔ اسلامی نظریاتی کونسل لائبریری، اسلام آباد

۴۔ قومی اسمبلی لائبریری، اسلام آباد

اس کے علاوہ ہر سال پاک و ہند، بنگلہ دیش، مصر، امریکہ اور لندن کی معروف جامعات اور لائبریریوں کو ہماری مطبوعات بذریعہ ڈاک الگ سے جاتی ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی تقریبِ تفویضِ کتب بجامعہ کراچی تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جامعہ کی جن کلیات کو کتب عطیہ کی گئیں ان کی فہرست یہ ہے:

۱۔ محمود حسین لائبریری ٭ انچارج: محترمہ مسز ارجمند بانو صاحبہ ٭

۲۔ شیخ زید اسلامک سینٹر ٭ ڈائریکٹر: ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صاحب ٭

۳۔ شعبۂ علومِ اسلامی ٭ ڈاکٹر پروفیسر اختر سعید صدیقی/ نمائندگی: ڈاکٹر جلال الدین نوری ٭

۴۔ شعبۂ قرآن و سنۃ ٭ ڈاکٹر مسرت جہاں/ نمائندگی: ڈاکٹر شہناز غازی ٭

۵۔ شعبۂ اصولِ دین ٭ ڈاکٹر حسام الدین منصوری ٭

۶۔ شعبۂ عربی ٭ ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحٰق منصوری ٭

۷۔ شعبۂ سندھی ٭ ڈاکٹر پروفیسر سلیم میمن ٭

۸۔ شعبۂ فارسی ٭ ڈاکٹر ریحانہ اختر ٭

۹۔ شعبۂ اردو ٭ ڈاکٹر معین الدین عقیل/ نمائندگی: ڈاکٹر شمس الدین، رئیس کلیہ فنون ٭

۱۰۔ شعبۂ عمرانیات ٭ ڈاکٹر فتح محمد برفت/ نمائندگی: ڈاکٹر شمس الدین، رئیس کلیہ فنون ٭

۱۱۔ شعبۂ اسلامی تاریخ ٭ ڈاکٹر نگار ظہیر/ نمائندگی: ڈاکٹر شمس الدین، رئیس کلیہ فنون ٭

۱۲۔ شعبۂ سیاسیات ٭ پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد قادری ٭

۱۳۔ عمومی تاریخ ٭ ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب ٭

۱۴۔ ابلاغِ عامہ ٭ ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب/ معاونت: پروفیسر سرور نسیم ٭

جامعہ کراچی کے دیگر اساتذہ اور عملہ کے افراد کے اسمائے گرامی جو ہماری خصوصی دعوت پر شریک ہوئے:

☆ ڈاکٹر پروفیسر محمد عارف خان ساقی

☆ ڈاکٹر پروفیسر محمد قیصر، رئیس کلیہ سائنس

☆ پروفیسر ڈاکٹر سہیل برکاتی ممبر سنڈیکیٹ

☆ ڈاکٹر عبدالرشید، رئیس کلیہ اسلامک اسٹڈیز

☆ ڈاکٹر شکیل محمد اوج، شعبۂ علومِ اسلامی

☆ عبدالشہید، شعبۂ عربی

☆ ندیم احمد خاں، شعبۂ ارضیات

تقریب کی تاریخ مقررہ ۲۳ رجون کی صبح دفتر ادارہ میں صبح آٹھ بجے کارکنانِ ادارہ جمع ہونے لگے۔ محترم جناب ریاض احمد صدیقی صاحب، جناب محمد واجد اللہ قادری اور جناب ارشد صاحب دفتری کام میں مصروف ہوگئے اور راقم مع جناب عمّار ضیاء خاں صاحب (انچارج کمپیوٹر سیکشن)

مطلوبہ کتب کے پیکٹس محترم جناب ادریس صاحب سہروردی کی ہائی روف میں رکھ کر محترم جناب ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب (جنرل سکریٹری ادارہ) کے دولت خانے پر پہنچے۔

اسی دوران صدر ادارہ حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنے چند ساتھیوں اور فتاویٰ رضویہ (ستائیس جلدوں) کے ۱۴ر پیکٹس کے ساتھ تشریف لے آئے۔ وہاں سے حضرت صاحبزادہ سید صاحب کی نگرانی اور جناب ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ صاحب کی قیادت میں قافلہ جامعہ کراچی کی طرف روانہ ہوا اور پروگرام کے مطابق تقریباً دس بجے صبح رئیسِ کلیہ فنون محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین صاحب کے دفتر میں پہنچ گئے جہاں تقریبِ تفویضِ کتب منعقد ہونا تھی مگر بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے شیخ الجامعہ جناب پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی صاحب نے تقریب کو شیخ الجامعہ کے کونسل روم میں منعقد کرنے کا پروگرام بنایا اور تمام شرکاء وہاں جمع ہونے لگے۔

تقریب شروع ہونے سے پہلے محترم جناب شیخ الجامعہ نے اپنے چیمبر میں ادارہ کے مندرجہ ذیل تین حضرات سے خصوصی ملاقات کی اور حقِ میزبانی ادا فرمایا:

☆ محترم صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری (صدر ادارہ)
☆ محترم جناب حاجی عبد الطیف قادری (رابطہ سکریٹری ادارہ)
☆ راقم (علیم ظفر)

کچھ دیر بعد محترم شیخ الجامعہ اور ان کے معزز معاونین نے کونسل روم میں آغازِ تقریب کی نشاندہی فرمائی چنانچہ کونسل روم میں تقریبِ تفویض کا آغاز ہوا۔

تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ محترم استاذ پروفیسر رئیس احمد صاحب نے تلاوت فرمائی۔

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے پروفیسر مجید اللہ قادری نے محترم جناب فاضل نوجوان محمد علی سہروردی کو دعوت دی۔

تعارف و توضیح: مقصدِ تقریب کا تفصیلی بیان پروفیسر مجید اللہ صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں کیا اور باقاعدہ ترتیب و تسلسل کو سامنے رکھتے ہوئے ادارہ کی تاسیس و تاریخ، اس کے بانی سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ اور سرپرستِ اول جناب علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے موجودہ صدر جناب سید وجاہت رسول قادری اور سرپرست رضویات جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کا تعارف کرایا۔ ادارہ کی ۲۵ رسالہ کارکردگی پر روشنی ڈالی اور مساعی و نتائج کا موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ برصغیر پاک و ہند میں یہ ادارہ اپنی تحقیقی نوعیت کا اولین شاہکار ہے (جس کی بعد میں شیخ الجامعہ نے اپنے صدراتی خطاب میں بھی تصدیق فرمائی۔)

رپورٹ بسلسلہ تقریب: محترم جناب ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب کے تعارفی و توضیحی بیان کے بعد محترمہ جناب صدر ادارہ حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری دامت برکاتہم العالیہ کو خصوصی خطاب کی دعوت دی گئی۔

حضرت محترم سید صاحب نے علم اور صاحبِ علم کی فضیلت کے عنوان سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اسلام کی پہلی وحی اقراء باسم ربک الذی خلق تلاوت کی۔ آپ نے فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پہلی وحی علم کی فضیلت پر دال ہے۔ اَعلَم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اقراء کا مطالبہ فرما کر تحریر و کتابت کی اہمیت دنیا پر روشن کی گئی اور علم کو سینوں سے نکال کر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھولی گئی۔ اس طرح اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان بھی دکھائی کہ آپ معلمِ کائنات ٹھہرے اور تمام انسانیت بلکہ ساری کائنات آپ کی دستنگر اور متعلم۔ آپ نے فرمایا کہ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ میں جب نعمتِ تخلیق کا ذکر کیا گیا تو رب کی طرف منسوب کیا گیا کہ یہ نعمت تخلیق عام ہے اور جن و انس اور تمام دیگر مخلوق سب اس میں شامل ہیں۔ لیکن جب نعمتِ علم کا ذکر ''اقراء و ربک الاکرم'' فرما کر کیا گیا تو اسے نہ رب کی طرف منسوب کیا، نہ ''ربِّ کریم'' کی طرف بلکہ ''ربُّ الاکرم'' کی طرف نسبت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کی نعمت بہت زیادہ کرم والے رب کی عطا ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم

میں یہ فرمایا گیا: ان اکرمکم عند اللہ اتقکم یعنی بیشک تم میں سب سے زیادہ اکرام واعزاز والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، صاحبِ تقویٰ وہی ہوسکتا ہے جو صاحبِ علمِ نافع ہو تو اب نتیجہ یہ ہوا کہ ایک متقی عالم ہی سب سے زیادہ اعزاز واکرام کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے علمِ نافع اور تقویٰ کے سبب فرد، معاشرے اور ملک و ملّت کے لئے بہت مفید ہے وہ جہاں ہوتا ہے چراغ کی مانند ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے علم کو نور سے تعبیر کیا ہے، جو چیز اس کے دائرے میں آگئی وہ روشن ہوگئی اور جو اس سے مرتسم ہوگیا اس کی صورت اس کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا شمار اللہ کے انہیں اعزاز واکرام والے بندوں میں ہوتا ہے، اَعلَمِ کائنات، سید عالم ﷺ سے صحابہ کرام، ان سے تابعین عظام، ان سے تبع تابعین ذوالاحترام، ان سے ائمۂ ذوالمجد والاکرام، پھر درجہ بدرجہ یہاں تک کہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں قادری روشن ہوئے۔ ایک متقی عالم بغیر تحقیق کے کوئی گفتگو نہیں کرتا ہے۔ تحقیق اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تحقیق کی اصل حق ہے، اسی سے متحقق، کسی خبر یا ظن کا پایۂ ثبوت تک پہنچنا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ ایک متقی، محقق عالمِ باعمل اور عاشقِ رسول انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صاحبِ عدل عالم ان کی نگارشات کی سچائی سے متاثر ہوتا ہے۔ خواہ وہ ان سے کتنا ہی ناواقف یا نابلد رہا ہو لیکن جب ان کی تحریروں کو پڑھتا ہے تو ان کے دلائل وتحقیق کی صداقت کا اعتراف کئے بغیر اسے چارۂ کار نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک ہزار سے زیادہ کتب کی صورت میں پھیلے ہوئے ان کے ورثۂ العلمی کا اہلِ علم وعرفان تک ابلاغ کا کام گذشتہ ۲۵ برسوں سے کر رہے ہیں۔

اس علمی گفتگو اور تمہید کے بعد انہوں نے سربراہانِ کلیات کو سرچشمہ ہائے علم وعرفان سے تعبیر کیا اور ان کی خدمات کو ملک وملتِ اسلامیہ کے لئے ایک عظیم سرمایہ قرار دیا۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی اور عظیم لڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ملتِ اسلامیہ کے لئے اپنے وقت کے نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی ۶۵ رسالہ زندگی میں چھپن (۵۶) علوم کے حصول کے ساتھ اس کی تعلیم، ترویج واشاعت کی اور تقریباً ایک ہزار کتب کے مصنف ہوئے۔ ان میں سے ہر علم وفن پر تقریباً چار سو پچاس (۴۵۰) کتب شائع ہوچکی ہیں جو متداول زبانوں (اردو، فارسی اور عربی) میں لکھی گئیں۔ حضرت سید صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کے حوالے سے مختلف ممالک کی جامعات میں پیش کئے جانے والے مقالہ جات کی تعداد کچھ اس طرح بیان فرمائی کہ برصغیر پاک وہند اور دیگر ممالک سے مختلف عنوانات پر ۱۷/ پی ایچ ڈی ہوچکی ہیں جبکہ ۱۳/ پی ایچ ڈی زیر تکمیل ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے واضح کیا اور اعلان فرمایا کہ اگر کوئی اسکالر ان کے علمی اور ملّی کارناموں پر پی ایچ ڈی تھیسس (مقالہ) لکھنا چاہے تو اسے ادارہ کی طرف سے بھرپور رہنمائی اور معاونت ملے گی۔

انہوں نے اپنے گذشتہ دس روزہ ہندوستان کے طوفانی دورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اس دورے کے اچھے نتائج برآمد ہوئے اور بنارس ہندو یونیورسٹی اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایک ایک اسکالر امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔

شیخ الجامعہ کا صدارتی خطاب:

''امام احمد رضا کی شخصیت بڑی ہمہ جہت اور علم وفضل سے عبارت تھی، ان کی زندگی کا محور ومرکز اسلامی تعلیمات کا احیاء اور تفہیمِ دین تھا۔ وہ عشقِ رسول سے سرشار تمام عمر تصانیف وتالیف میں مصروف رہے''۔ یہ بات جامعہ کراچی کے وائس چانسلر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی زید مجدہٗ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہی۔ ڈاکٹر پیرزادہ صاحب نے کہا کہ امام احمد رضا خاں جیسی غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل شخصیت اس خطہ کو میسر آئی جس نے علوم اسلامی کی بے پایاں خدمات سرانجام دیں۔ ان کی مطبوعہ تصانیف ۴۵۰ کے لگ بھگ ہیں اور ۵۰۰ کے قریب اشاعت کی منتظر ہیں۔ وہ عربی، فارسی، اردو اور علومِ نقلیہ، عقلیہ اور عصریہ کے ماہر تھے۔ وہ اپنے عہد کے جدید علوم کو دستیاب وسائلِ تحقیق کے مطابق حیطۂ تحریر میں لائے۔ عربی، فارسی اور سائنس کی اصطلاحات اور سائنسی معلومات تک ان کی حیرت انگیز طور پر رسائی تھی۔ وہ ایسے سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی تھے جس کی مثال ان کی نعتیہ

شاعری سے عیاں ہے۔ یہ ادارہ بلاشبہ بڑی سنجیدگی سے اہم قومی خدمت انجام دے رہا ہے۔ کتب بینی سے ذہن اور شعور کو بالیدگیِ فکر میسر آتی ہے۔ جامعہ کے شعبہ جاتی کتب خانوں میں ان مطبوعات سے طلباء و طالبات فیضیاب ہوں گے۔

آخر میں شیخ الجامعہ نے ایک ایسی علمی اصطلاح کا ذکر فرمایا جو اہلِ علم حضرات میں بہت کم معروف متداول ہے اور جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ بے مثال لفظ دنیا کی عبقری شخصیات کے لئے بولا جاتا ہے جسے پیراڈائم Paradigm کا نام دیا جاتا ہے چنانچہ جناب شیخ الجامعہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو عصرِ حاضر کی ایک پیراڈائم شخصیت قرار دیا جن کی زندگی کا محور و مرکز اسلامی تعلیمات کا احیاء اور علمِ نافع کا ابلاغ تھا۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ رجون ۲۰۰۵ء)

کیفیتِ مذاکرہ: ڈاکٹر عبدالرشید صاحب نے امام احمد رضا چیئر کے قیام کی تجویز دی۔ انہوں نے کہا ۸۸۔۱۹۸۷ء میں ادارہ کی تحریک پر جامعہ کراچی نے امام احمد رضا چیئر کا پلان منظور کرلیا تھا۔ بعد میں غالباً مالی مسائل کی وجہ سے یہ پلان پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اس وقت اس چیئر کی شدید ضرورت ہے۔ صدرِ ادارہ نے ان کی تجویز کے جواب میں اس کی تائید کرتے ہوئے دوبارہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی یقین دہانی کرائی اور شیخ الجامعہ سے معانت کی درخواست کی۔ شیخ الجامعہ نے اپنی روایتی علم دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تجویز کی تائید بلکہ اس سلسلے میں تعاون کی بھی یقین دہانی کرائی۔

محترم ڈاکٹر خلیل صاحب نے امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح ان کو ہر علم و فن پر عبور حاصل تھا اسی طرح اردو، فارسی اور عربی زبان و لغت پر یکساں دسترس حاصل تھی اور اس کی مثال انہوں نے یہ پیش کی کہ حال ہی میں جامعہ پنجاب کے ایک اسکالر نے امام احمد رضا کے مخطوطہ رسالہ ''**الزلال انقی من بحر سبقتِ الاتقی**'' پر پی.ایچ.ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کی اطلاع پر انہوں نے عربی رسالہ کا مطالعہ کیا، اس کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے بعض آئے ہوئے مہمان مصری علماء سے کہا کہ تمہارے یہاں کوئی عالم ایسی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرسکتا ہے جو امام احمد رضا نے کیا ہے۔ یہ ہمارے برِصغیر کے علماء ہی کی شان ہے اور ان میں امام احمد رضا کو یقیناً ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔

آخر میں پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب نے محترم جناب شیخ الجامعہ اور تمام شرکائے تقریب کا شکریہ ادا کیا۔ اختتامِ مجلس پر صاحبزادہ سہروردی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی ایک اور نعت پیش کی اور ڈاکٹر عبدالرشید صاحب نے دعا فرمائی، پھر شیخ الجامعہ جناب پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صاحب کے دستِ مبارک سے مذکورہ کلیات کے سربراہان کو ادارہ کی مطبوعات مع (قرآن کریم مترجم) کنز الایمان اور فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کا ۲۷ جلدوں پر مشتمل سیٹ پیش کیا گیا۔ صدرِ ادارہ سید وجاہت رسول قادری صاحب نے معاونت فرمائی۔ آخر میں حاضرینِ مجلس کی ماکولات و مشروبات سے ضیافت کی گئی۔ یوں جامعہ کراچی میں تفویضِ کتب کی یہ خوبصورت تاریخی مجلسِ علمی بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

خوشخبری

الحمد للہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی ویب سائٹ شاندار سے شاندار تر سفر پر رواں دواں ہے اور یہ ویب سائٹ تقریباً دو ہزار صفحات سے بھی اوپر جانے کے لئے پرتول رہی ہے۔ چند دن کی بات ہے، یہ سرحد اور انفرادیت و خصوصیت کی دیگر سرحدات بھی عبور کرلے گی۔ ان شاء اللہ یہ وقت ایسا ہوگا کہ اس کی شان، آن بان اور سبک رفتاری قابلِ دید و شنید ہوگی۔ یہ ایک مستقل خرچہ کا کام ہے اور اس پر ایک مستقل آدمی متعین ہے جس کی ذمہ داری updating، کورنگ اور maintaining ہے۔ مارکیٹ سے ہم یہ کام کرواتے تو تقریباً 35 ہزار خرچہ آتا اور یہ معیار و رفتار بھی نہ ہوتی جو ہماری ویب سائٹ کی ہے۔ الحمد للہ کہ اس کام کی ذمہ داری محترم راؤ سلطان مجاہد قادری صاحب اور محترم ریاض شاہد صاحب (ڈیجیٹل لائبریری فکرِ اعلیٰ حضرت، اوکاڑہ) اور ان کی ٹیم بحسن و خوبی سرانجام دے رہی ہے جس پر ان کا جس قدر ممنون ہوا جائے، کم ہے۔

گزشتہ دنوں امام احمد رضا ویب سائٹ نے کامیابی کا ایک اور سنگِ میل عبور کیا اور انٹرنیٹ کی دنیا میں سب سے مشہور چار سرچ انجن (Google, Yahoo, MSN, AltaVista) پر ویب سائٹ کا رجسٹریشن ہوا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

ہم تمام محبینِ اعلیٰ حضرت اور مخیر حضرات سے گذارش کریں گے کہ اس کام میں ہماری مالی معاونت فرماکر دین و مسلکِ حق کی اشاعت میں شامل ہوں۔

Visit Now: www.imamahmadraza.net

عالمِ اسلام کی سب سے قدیم و مستند یونیورسٹی

جامعہ الازہر کی ویب سائٹ کا اجراء

نوٹ: قاہرہ، مصر میں قائم عالمِ اسلام کی سب سے قدیم اور مستند یونیورسٹی جامعہ الازہر میں جب سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی پر تحقیقی کام کا آغاز ہوا، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا اور الازہر یونیورسٹی کا کسی نہ کسی صورت رابطہ رہنے لگا ہے۔ حال ہی میں جامعہ ازہر یونیورسٹی کی ویب سائٹ کا اجراء ہوا۔ جس کی تفصیل ہمیں انٹرنیٹ پر بی۔ بی۔ سی لندن اردو کے نمائندہ صفدر ہمدانی کے ذریعہ موصول ہوئی۔ ہم قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کی خاطر جناب صفدر ہمدانی کے شکریہ کے ساتھ شائع کررہے ہیں۔ (ادارہ)

مسلم دنیا کے سب سے بڑے اور دنیا بھر کے وسیع ترین ای۔منصوبوں میں سے ایک کا افتتاح گزشتہ دنوں ہوا ہے جس کی تکمیل کا کام ابھی بھی جاری ہے۔ پانچ سو ملین ڈالر سے زائد کی لاگت سے قائم ہونے والی یہ ویب سائٹ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ الازہر کی وسیع ترین ڈیجیٹل لائبریری ہے۔

اس آن لائن پر خرچ ہونے والی لگ بھگ ساری رقم دبئی کے ولی عہد شہزادے شیخ محمد بن راشد المکتوم نے مہیا کی ہے اور ویب سائٹ کا پتہ www.alazharonline.org ہے۔ ابھی فی الحال یہ فقط عربی زبان میں ہے لیکن جلد ہی اس پر انگریزی اور فرانسیسی کے علاوہ مزید چار غیر ملکی زبانوں میں بھی یہ مواد مہیا کیا جائے گا۔

جامعہ الازہر کے حکام کا کہنا ہے کہ گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد خاص طور پر اس منصوبے کا مقصد دنیا بھر کے لوگوں اور ان کی ثقافتوں کو قریب تر لانا اور اسلام کے بارے میں ثقہ معلومات فراہم کرنا ہے۔ مسلم دنیا کی اس وسیع ترین ویب سائٹ کے بارے میں معلومات سے قبل ایک مختصر سا جائزہ جامعہ الازہر کا۔

دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی 1088 عیسوی میں شمالی اٹلی کے شہر بلوگنا میں اور امیرکہ کی قدیم ترین ہاورڈ یونیورسٹی 1636ء میں قائم ہوئی تھی لیکن مصر کی الازہر یونیورسٹی کو دنیا بھر کی قدیم ترین یونیورسٹی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جس کا قیام ایک ہزار سال سے زائد عرصہ قبل اس وقت عمل میں آیا تھا جب 358 ہجری بمطابق 969 عیسوی میں مصر کو فتح کرنے کے لئے فاطمی حکمرانوں کے بھیجے کمانڈر جواہر نے تاریخی شہر قاہرہ کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ساتھ الازہر مسجد بنیاد رکھی جس میں پہلی نماز 7 رمضان 361 ہجری بمطابق 22 جون 972 عیسوی میں ادا کی گئی اور یہی مسجد بعد میں الازہر یونیورسٹی کے طور پر سامنے آئی جس میں پہلا لیکچر 364 ہجری میں دیا گیا۔

الازہر یونیورسٹی کے حکام کا کہنا ہے کہ اکثر اوقات اس یونیورسٹی میں نوے ہزار تک طلباء بھی زیر تعلیم ہوتے ہیں۔

ایسی عظیم اور قدیم یونیورسٹی کی متعدد لائبریریوں میں گزشتہ ہزار سال سے زائد عرصہ سے اسلام سے متعلق قدیم اور نادر کتابوں اور مخطوطات کا ایک ذخیرہ جمع ہوتا رہا ہے۔ جس تک عام لوگوں کی رسائی نہیں تھی لیکن اب اس ویب سائٹ کے اجراء کے بعد ان تک عام لوگوں کی بھی رسائی ہوگئی ہے۔

بتایا گیا ہے کہ الازہر کی لائبریریوں میں ایک لاکھ اٹھائیس ہزار سے زیادہ کتب اور بیالیس ہزار سے زیادہ نایاب مخطوطات ہیں جن میں سے کچھ چودہ سو سال پرانے بھی ہیں اور اب یہ سارا خزانہ لاکھوں صفحات کی صورت میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی مدد سے اس ویب سائٹ پر ڈالا جارہا ہے جس کا ساٹھ فیصد کام مکمل ہوگیا ہے اور باقی اگلے چند ماہ میں تکمیل پاجائے گا۔

اس علمی خزانے کے علاوہ اس ویب سائٹ پر قرآن کے مختلف تراجم اور تفاسیر اور احادیث تحریری اور صوتی صورت میں اور مختلف اوقات میں جاری کردہ فتوئی بھی اصل صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

الازہر آن لائن کے پروجیکٹ ڈائریکٹر معین کمی کا کہنا ہے کہ اس منصوبہ کی سرگرمیوں کا مرکز جامعہ کی مرکزی لائبریری کی پانچویں منزل ہے جہاں علمائے دین اور ٹیکنالوجی کے ماہرین نے مل کر ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اب طالبانِ علم اور اسکالرز کو دور دراز کا سفر کرکے قاہرہ نہیں آنا پڑے گا اور یہ سب کچھ وہ اپنے ملک میں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔

معین کمی کے مطابق اس منصوبے کا آغاز اپریل دو ہزار میں ہوا تھا اور پانچ سال کے عرصہ میں ایک سو سے زائد افراد کی شبانہ روز محنت کے بعد اب یہ ویب سائٹ دنیا بھر کے علم کے متلاشی افراد کے لئے ایک الگ اور نئی دنیا ہے اور اس میں محفوظ کی جانے والی کتب اور مخطوطات کو چھتیس شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور چودہ سو سال پرانے کئی ایسے نادر مخطوطات کو بھی ڈیجیٹل طور پر محفوظ کرلیا گیا ہے جن کی حالت نہایت خستہ ہوچکی تھی۔

اس ویب سائٹ کا کام تین مرحلوں میں مکمل ہوگا۔

اپنے دیس ۔۔۔۔ بنگلہ دیس میں

فروغِ رضویات کا سفر

سترہویں قسط

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

حضرت شاہ امانت علیہ الرحمۃ

حضرت شاہ امانت رحمۃ اللہ علیہ بنگلہ دیش کے ضلع چٹا گانگ میں بڑے کامل شخص گذرے ہیں، مگر اس کا پتا نہیں چلتا کہ آپ کس کے مرید تھے اور کہاں سے آپ کو نسبت حاصل تھی۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ آپ علومِ باطنی سے فارغ ہونے کے بعد چٹا گانگ کے جج کے چپراسی کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ انگریزوں کے دورِ اقتدار کے شروع دور میں چٹا گانگ آئے۔

ایک دن دکھن مہیش کھالی کا ایک شخص عدالت میں اپنے ایک مقدمے کے سلسلہ میں چٹا گانگ شہر آیا تھا۔ وکیل سے ملاقات کے بعد پتا چلا کہ آج ہی مقدمہ کی سماعت کی تاریخ ہے۔ اتفاق سے وہ اپنے مقدمے کے کاغذات اور ضروری دستاویزات گھر (اپنے گاؤں) چھوڑ آیا تھا۔ وکیل نے کہا کہ اگر کل تک تم اپنی تمام دستاویزات پیش نہیں کر سکے تو مقدمہ ہار جاؤ گے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا، کیونکہ شہر چٹا گانگ سے اس کے گاؤں تک جانے کا خشکی سے کوئی راستہ نہیں تھا اور دریائی سفر سے دو، تین دن کی مسافت تھی۔ اسی خیال سے پریشان، افسردہ اور روتا پیٹتا شام کو کچہری سے واپس آرہا تھا کہ راستہ میں حضرت شاہ صاحب سے ملاقات ہوگئی جو اپنے کام سے فراغت کے بعد گھر تشریف لے جارہے تھے۔ آپ نے اس کا رونا پیٹنا دیکھ کر اسے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور اسے لے کر آپ صدر گھاٹ پہنچے۔ آپ نے جیب سے رومال نکال کر کچھ پڑھا پھونکا، رومال نے دیکھتے ہی دیکھتے کشتی کی صورت اختیار کرلی، آپ نے فرمایا اس کشتی پر سوار ہو کر اپنے گاؤں جاؤ آدھی رات تک ان شاء اللہ تم اپنے مکان پہنچ جاؤ گے، مکان سے ضروری کاغذات لیکر فوراً کشتی میں سوار ہو جاؤ ٹھیک فجر سے قبل تم صدر گھاٹ پر ہو گے۔ میں تمہارے استقبال کے لئے یہاں موجود ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور واپسی پر کشتی سے اترتے ہی اس کشتی نے رومال کی صورت اختیار کرلی، اس شخص نے صبح ہی صبح وہ کاغذات اپنے وکیل کے حوالے کئے اور کچہری سے مقدمہ جیت لیا۔ وکیل نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا کہ کئی دنوں کا سفر چند گھنٹوں میں کیسے طے کیا تو اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ جب جج صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت شاہ صاحب کو بلا کر کہا آپ اتنے عظیم ولی اللہ ہیں، مجھے معلوم نہ تھا، میں ہرگز اس کا اہل نہیں کہ آپ جیسے بزرگ سے کسی قسم کی خدمت لوں، آج سے آپ اپنے گھر پر تشریف رکھا کریں اور مجھ سے آپ کی جو بھی خدمت ہو سکے گی، کرتا رہوں گا۔ الغرض اس وقت سے آپ کا ولیِ کامل ہونا مشہور ہوگیا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی کرامات ہیں جو اختصار کی بناء پر بیان نہیں کی جارہی ہیں۔ آپ کے سب سے اول مریدوں میں ڈھاکہ کے صوفی باصفا محمد دائم رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے۔ حضرت شاہ امانت علیہ الرحمۃ کا مزار شریف چٹا گانگ شہر میں جیل خانہ کے اُتر، اول لال دگی محلّہ کے پورب کی طرف واقع ہے۔ ہر سال ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو آپ کا عرس مبارک ہوتا ہے جس میں دور دور سے لوگ آپ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے آتے ہیں، مزار شریف پر ایک عالیشان عمارت قائم ہے۔ چٹا گانگ میں یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ حاجتمند اگر آپ کے مزار کی زیارت کی نیت سے یہاں آئے اور رات کے وقت مزار سے متصل مسجد یا مزار شریف کے حجرے میں شب باشی کرے تو خواب میں اپنی حاجت کے بارے میں بھلا یا برا انجام معلوم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اکثر حضرات جو فوجداری یا دیگر مقدمات میں ملوث ہوتے ہیں کورٹ میں پیشی سے قبل آپ کے مزار شریف پر حاضری کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ (ملخص از تذکرہ اولیائے بنگال۔ ص: ۱۱ تا ۱۴)

یہاں کی حاضری کے بعد حضرت مفتی امین الاسلام ہاشمی صاحب اپنے والد ماجد سلطان الواعظین حضرت مولانا قاضی سید محمد احسن الزماں ہاشمی علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ دارالعلوم احسن العلوم جامعہ غوثیہ گُل گاؤں واپس آئے جو قبلہ مفتی صاحب کے دولت کدہ سے بالکل

متصل ہے۔ اس کے پرنسپل امام اہلسنّت بنگلہ دیش حضرت مولانا سید نورالاسلام ہاشمی مدظلہ العالی کے خلف اکبر حضرت ابوالبیان سید رضوان الرحمٰن ہاشمی صاحب ہیں، یہاں قبلہ امام اہلسنّت بنگلہ دیش کی زیرِ صدارت ایک عظیم الشان محفل گیارہویں شریف کا بعد نمازِ عشاء انعقاد تھا۔ حضرت امام اہلسنّت قبلہ نے فقیر اور علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری زید مجدہٗ کو خصوصی طور پر اس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

بارش کی باوجود کثیر تعداد میں علماء، طلباء اور عوام اہلسنّت شریکِ محفل تھے۔ محفلِ مبارکہ دارالعلوم کی مسجد میں منعقد ہوئی، چٹا گانگ کے معروف نعت خواں حضرت نے نعت خوانی کی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقبتیں پڑھی گئیں۔ مقررین حضرات میں حضرت مولانا مفتی امین الاسلام ہاشمی، حضرت مولانا ابوالبیان صاحب، حضرت مولانا عبد المنان (مترجم کنز الایمان بنگالی)، محترم مولانا مفتی سید وصی الرحمٰن، محترم مولانا عبد المالک، محترم مولانا ابو القاسم نوری حفظہم اللہ الباری اور بعض دیگر علمائے کرام نے غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر روشنی ڈالی، فاضل نوجوان علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری زید مجدہٗ نے بڑی پر جوش اور دل آویز تقریر کی اور اس راقم حقیر پر تقصیر کا شاندار الفاظ میں تعارف کرایا اور فقیر سے اپنے حسنِ ظن اور محبت کا خوبصورت الفاظ میں اظہار کیا، پھر حضرت علامہ مفتی امین الاسلام ہاشمی مدظلہ العالی نے بھی احقر کے لئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (انٹرنیشنل) کی خدمات کے حوالہ سے کلماتِ تحسین ادا فرمائے اور خورد نوازی جو ان کے خانوادے کی شاندار روایت ہے، کا بھرپور ثبوت دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس ناچیز کو ویسا ہی بنادے جیسا وہ حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔ فقیر نے مختصراً سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب پر روشنی ڈالی اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ کے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ والہانہ عشق کا ذکر کیا۔

اختتامی اور صدارتی خطاب حضرت علامہ سید شیخ الحدیث نور الاسلام ہاشمی صاحب امام اہلسنّت بنگلہ دیش کا ہوا۔ آپ نے بھی بڑے اچھے لفظوں میں فقیر کو اور علامہ ڈاکٹر بخاری کو اس محفلِ سعید میں خوش آمدید کہا اور ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر اہلسنّت کے سر پر قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔ بعد صلوٰۃ وسلام دعا اور فاتحہ ہوئی اور لنگرِ غوثیہ تقسیم ہوا۔ فقیر اور ڈاکٹر بخاری صاحب سے حضرت امامِ اہلسنّت نے اپنے آستانۂ مبارکہ پر لنگر شریف تناول کرنے کو کہا، قبلہ مفتی امین الاسلام ہاشمی صاحب کی کار میں ان کے ساتھ ہم لوگ حضرت کے آستانہ پر پہنچے جو اگرچہ دارالعلوم کے بالکل مقابل اور حضرت مفتی قبلہ صاحب کے مکان کے بالکل متصل ہے لیکن سخت بارش کی وجہ سے ہم لوگ گاڑی میں روانہ ہوئے۔ حضرت امام اہلسنّت بنگلہ دیش نے پر تکلف دعوت کا اہتمام فرمایا تھا، طرح طرح کے کھانوں، مشروبات اور پھلوں سے دسترخواں سجا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد حضرت نے دعا فرمائی، عاجزی اور منکسر المزاجی حضرت کے مزاج کا خاصہ ہے۔ اعلیٰ مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں (فقیر اور علامہ بخاری صاحب کو) تحفوں سے بھی نوازا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سلطان الواعظین علیہ الرحمۃ کے ان دونوں صاحبزگان حضرت مفتی امین الاسلام ہاشمی صاحب اور حضرت علامہ نورالاسلام ہاشمی صاحب کے آستانوں کو ابدالآباد تک شاد اور آباد رکھے اور رشد و ہدایت اور تعلیم کا سلسلہ تا صبحِ قیامت جاری وساری رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

دوسرے دن ۳۰ رجون ۲۰۰۳ء بنگلہ دیش میں اہلسنّت کے سب سے بڑے مدرسہ جامعہ احمدیہ سنّیہ عالیہ میں صبح ۱۰ بجے فقیر کے لئے ایک استقبالیہ کا انتظام تھا لیکن اس سے قبل حضرت مولانا ابوالقاسم نوری صاحب کے دولت کدے پر صبح کے ناشتہ کی دعوت تھی۔ ان کا مکان جامعہ احمدیہ سنّیہ کے راستے میں پڑتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ہائی روف کار میں ہم لوگ (فقیر، علامہ بخاری، مفتی صاحب قبلہ، ان کے صاحبزادگان مولانا مفتی شاہد الرحمٰن ہاشمی صاحب، حافظ خالد الرحمٰن ہاشمی صاحب اور ساجد الرحمٰن ہاشمی صاحب) سخت بارش میں گھر سے نکلے۔ مولانا ابوالقاسم صاحب کی قیام گاہ تک پہنچتے پہنچتے بارش کچھ تھم گئی تھی لیکن ان کی گلی میں بارش کا پانی جمع تھا۔ پیدل چلنا مشکل تھا۔ مفتی صاحب کا ڈرائیور بڑی مہارت کے ساتھ گاڑی کو پانی اور دلدلی زمین سے نکالتا ہوا مولانا نوری کے دروازے تک لے گیا۔

وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ نام تو ناشتہ کا تھا لیکن انہوں نے دوپہر کے

کھانے کا پورا اہتمام کیا ہوا تھا۔ ناشتہ کے بعد حضرت مفتی صاحب قبلہ نے دعا فرمائی۔ جناب مولانا نوری نے اس احقر کو اور علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری زید مجدہٗ کو تحائف سے بھی نوازا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

یہاں سے فراغت کے بعد جب دارالعلوم احمدیہ سنّیہ عالیہ پہنچے تو پرنسپل الحاج مولانا جلال الدین القادری صاحب اور حضرت مولانا مفتی عبید الحق نعیمی صاحب نے جامعہ کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبران کے سربراہ جن میں ان کے صدر جناب الحاج ایم۔ عبد الوہاب قادری صاحب اور سیکریٹری محمد انوار حسین صاحب بھی شامل تھے، ہمارا جامعہ کے گیٹ پر شاندار استقبال کیا، بارش کی وجہ سے چھتریوں کے سائے میں ہمیں خانقاہ ہال تک لے گئے جہاں استقبالیہ کا انتظام تھا۔ جامعہ احمدیہ سنّیہ عالیہ زبدۃ الاصفیاء حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب قادری سریکوئی علیہ الرحمۃ خلیفۂ اجل حضرت خواجہ خواجگان عبد الرحمٰن چھوروی قدس سرہ العزیز مصنف مجموعۃ الصلوٰت الرسول ﷺ نے آج سے تقریباً ۵۰ رسال قبل مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ابلاغ کے لئے قائم فرمایا تھا، اس کے اول پرنسپل حضرت علامہ مولانا مفتی وقار الدین علیہ الرحمۃ تھے اور دوم پرنسپل شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا نصر اللہ خاں افغانی مدظلہ العالی ہوئے۔ انجمن رحمانیہ احمدیہ سنّیہ کے زیرِ اہتمام یہ دارالعلوم ترقی کی طرف گامزن ہے۔ بنگلہ دیش کے طول وعرض میں اس کی تقریباً ۱۰ رمزید شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ انجمن رحمانیہ بیس (۲۰) اراکین کی مجلسِ عاملہ پر مشتمل ہے۔ اس وقت اس کے صدر الحاج محمد عبد الوہاب القادری صاحب ہیں جبکہ محمد انوار حسین صاحب اس کے سیکریٹری ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا مفتی عبید الحق نعیمی صاحب اور پرنسپل مولانا محمد جلال الدین القادری صاحب بھی اراکین میں شامل ہیں۔ جامعہ میں اس وقت ۶۹ سے زائد عملہ کام کر رہا ہے۔ ان میں ۱۶ راساتذۂ کرام کو سرکاری وظائف ملتے ہیں جبکہ ۱۶ راساتذہ کا مشاہرہ انجمن رحمانیہ خود ادا کرتی ہے۔

جامعہ میں فی الوقت طلباء کی تعداد تین ہزار سے زائد ہے اور لڑکیوں کا علیحدہ انتظام ہے جن کی تعداد ۵۰۰ سے متجاوز ہے۔ اگر پورے بنگلہ دیش میں قائم تمام شاخوں کے طلباء کو شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد تقریباً ۸ رہزار کے قریب ہوتی ہے۔ جامعہ کی خوبصورت عمارت دو بلاکوں پر مشتمل ہے۔ ایڈمنسٹریٹیو بلاک اور اکیڈمک بلاک۔ ایڈمنسٹریٹیو بلاک پر ایک خوبصورت سبز رنگ کا گنبد ہے اور یہ تین منزلہ ہے۔ ہر منزل پر تقریباً ۱۰ رکمرے ہیں، اکیڈمک بلاک ۶ منزلہ ہے، ہر منزل پر تقریباً ۱۰ ربڑے بڑے کمرے ہیں۔ اس بلاک میں طلباء کے کلاسز، ہوسٹل اور جامعہ کی لائبریری قائم ہے، جس میں بقول مفتی عبید الحق نعیمی صاحب ۱۵ رہزار کے قریب کتب ہیں، حال میں اس کی مزید توسیع کا پروگرام ہے۔ جامعہ سے ملحق ایک وسیع عریض میدان ہے۔ اس سے متصل ایک نئی ۳ رمنزلہ عمارت تعمیر ہوئی ہے جس میں انجمن رحمانیہ کے سیکریٹری جناب محمد انوار حسین کے بموجب مکمل درسِ نظامی شروع کرنے کا پروگرام ہے۔ فی الوقت سرکاری نصاب کے مطابق منتخب کتب وابواب کی تعلیم ہو رہی ہے۔

مدرسہ کے آڈیٹوریم میں طلباء کافی تعداد میں موجود تھے اور اسٹیج پر جو علماء واساتذہ تشریف فرما تھے۔ ان میں درج ذیل حضرات گرامی نمایاں تھے:

(۱) پرنسپل جامعہ احمدیہ سنّیہ عالیہ علامہ الحاج جلال الدین القادری صاحب (صدر محفل)، (۲) پیر طریقت علامہ مفتی قاضی امین الاسلام ہاشمی صاحب، (۳) علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری صاحب (مہمانانِ خصوصی)، (۴) جامعہ کے شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مفتی عبید الحق نعیمی صاحب، (۵) وائس پرنسپل جامعہ علامہ صغیر احمد عثمانی صاحب، (۶) محدث شہیر علامہ الحاج سلیمان انصاری صاحب، (۷) علامہ الحاج قاضی مفتی عبد الواجد صاحب، (۸) محدث حافظ اشرف الزمان صاحب، (۹) الحاج محمد غلام سرور صاحب، (۱۰) الحاج سراج الحق صاحب چیئرمین غوثیہ کمیٹی، بنگلہ دیش، (۱۱) مولانا محمد بختیار صاحب، (۱۲) الحاج قاری مولانا قطب الدین مدنی صاحب (حال مقیم مدینہ منورہ)، (۱۳) شاعر اہلسنّت مولانا انیس الزمان صاحب، (۱۴) علامہ مولانا وصی الرحمٰن صاحب، (۱۵) نعت خواں جناب محمد اشرف الرحمٰن صاحب۔

اسٹیج سیکریٹری کے فرائض مولانا محمد بختیار صاحب نے انجام دیئے جبکہ تلاوت قرآن کریم کی سعادت الحاج مولانا قاری قطب الدین مدنی صاحب نے حاصل کی، نعت خواں محمد اشرف الرحمٰن صاحب نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی نعت شریف نہایت

خوبصورت آواز میں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

صدرِ محفل علامہ الحاج جلال الدین القادری زید مجدہٗ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے جامعہ احمدیہ سنّیہ کی تاریخ تاسیس پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ''قطب الاولیاء شیخ المشائخ حضرت علامہ حافظ قاری سید احمد شاہ سریکوٹی علیہ الرحمۃ نے سرزمین بنگلہ دیش میں قدم رنجہ فرما کر مسلمانانِ بنگلہ دیش پر احسانِ عظیم فرمایا۔ آپ کی بناء کردہ نامور تاریخی تنظیم انجمن رحمانیہ احمدیہ سنّیہ کے زیرِ اہتمام جامعہ احمدیہ سنّیہ کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں میں متعدد دینی ادارے علوم دینیہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت مجدد ملّت علیہ الرحمۃ کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادۂ عالی وقار اور ان کے خلیفۂ اعظم علامہ سید طیب شاہ قادری علیہ الرحمۃ نے اور ان کے وصال کے بعد ان کے فاضل جانشین اور صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد طاہر شاہ صاحب نے اس مشن کو نئے جوش اور ولولے سے جاری و ساری رکھا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل تا صبح قیامت جاری رہے گا''۔ اس کے بعد انہوں نے فقیر کو بنگلہ دیش کے اہلسنّت کے اس عظیم دینی ادارے میں خوش آمدید کہتے ہوئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی عالمی سطح پر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اس سے قبل علامہ مفتی عبید الحق نعیمی زید مجدہٗ، علامہ مفتی قاضی امین الاسلام ہاشمی مدظلہٗ اور علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری حفظہٗ اللہ الباری فقیر کا تعارف کراتے ہوئے احقر کے لئے کلماتِ تحسین ارشاد فرمائے (جن کو فقیر ان کا حسنِ ظن تصور کرتا ہے) اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی ملکی اور عالمی سطح پر تحقیقی اور تصنیفی خدمات کا ذکر کر کے اسے خراجِ تحسین پیش کیا۔

راقم نے اپنے جوابی خطاب میں ''عصرِ حاضر کے تقاضے اور دینی مدارس کی ذمہ داری'' کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے انجمن رحمانیہ احمدیہ سنّیہ کے پرتپاک استقبال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ بنگلہ دیش بھی احقر کا وطن ہے کیونکہ احقر کی زندگی کے بہترین دن ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۳ء یہاں گذرے ہیں اور مکتب سے لے کر یونیورسٹی کی سطح کی تعلیم اسی ملک کے شہر راجشاہی میں حاصل کی ہے اس لئے اس ملک سے راقم کو بھی پیار ہے۔ احقر نے حضرت خواجۂ خواجگان عبید الرحمٰن چھوروی قدس سرہ العزیز، حضرت علامہ حافظ قاری سید احمد شاہ سریکوئی اور حضرت علامہ سید محمد طیب شاہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملّتِ اسلامیہ کے تحفظِ ایمان و عقائد، تزکیۂ نفس، دنیوی و اخروی زندگی کی کامیابی و بالخصوص مسلکِ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ اور تعلیمات وفکرِ رضا کو عام کرنے کے لئے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اہلسنّت کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، اس لئے باشندگانِ بنگلہ دیش پر ان کے اس احسان کا شکر واجب ہے اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انجمن رحمانیہ احمدیہ سنّیہ اور دیگر سنّی انجمنیں اور ادارے اور مخیّر حضرات ایسے دار العلوم ملک کے طول و عرض میں قائم کریں (اور جو پہلے سے قائم ہیں ان کی توسیع مین مدد کریں) جو درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ عصرِ جدید کی تعلیم سے بھی ہمارے طلباء کو روشناس کرائیں تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء صرف منبر و محراب تک ہی محدود نہ ہو جائیں بلکہ معاشرہ کا مفید فرد ہونے کے ساتھ ساتھ افراد کی تعمیر و تربیت اور ان کی رہنمائی کا بھی فریضہ بخوبی انجام دے سکیں دوسرے الفاظ میں اہلسنّت کے جوانوں میں لیڈر شپ کی صلاحیت پیدا ہو۔ فقیر نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ جامعہ احمدیہ سنّیہ اور اس سے ملحقہ دیگر دینی اداروں میں ہر سال فارغ التحصیل طلباء میں سے تقریباً دس ذہین طلباء کو منتخب کر لیا جائے۔ ان کے لئے کم از کم دو یا زیادہ سے زیادہ چار سال کے لئے فقہ، حدیث، تصنیف و تالیف، تحقیق و تدقیق کے میدانوں میں تخصص کرایا جائے۔ اس کے لئے بنگلہ دیش، پاکستان اور ہندوستان کے بڑے دار العلوم کے جید علماء اور جامعہ ازہر سے فارغ التحصیل علماء کی مدد سے مذکورہ فروعات کے لئے ایک جامع نصاب بنایا جائے مگر اس نصاب میں علوم وفنون کی دیگر کتب کے علاوہ فتاویٰ رضویہ کے منتخبات اور اعلیٰ حضرت کی علوم وفنون پر بعض اہم کتب (مثلاً جامع الاحادیث) وغیرہ لازماً شامل کی جائیں اور جو طلباء تخصص کے لئے چنے جائیں انہیں دورانِ تعلیم مناسب وظیفہ دیا جائے اور تخصص کی تعلیم کے لئے اعلیٰ صلاحیت والے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے اور انہیں مناسب معاوضہ اور دیگر مراعات دی جائیں تاکہ وہ فکرِ معاش و مکان سے آزاد ہو کر دلجمعی سے طلباء کی تعلیم و تربیت پر اپنا وقت

صَرف کرسکیں۔ عصری علوم کے پڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء کی سَند یونیورسٹی کی اعلیٰ سَند کے برابر تسلیم ہوگی اور طلباء مختلف عناوین پر پی. ایچ. ڈی کرنے کے اہل ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت پر پی. ایچ. ڈی کرنے کے سلسلہ میں ادارہ تمام مواد فراہم کرے گا۔ فقیر نے دیکھا کہ اس تقریر کے دوران انجمن رحمانیہ کے سیکریٹری محترم محمد انوار حسین صاحب کاغذ پر کچھ نوٹ کررہے تھے۔ فقیر کی تقریر کے بعد وہ ناچیز سے اظہارِ تشکر کے لئے مائیک پر تشریف لائے تو انہوں نے ''تخصص'' کی اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور کہا یہ بڑی تعمیری اور انقلابی ہے۔ فقیر نے ان سے کہا کہ یہ احقر کی اپنی اختراع نہیں بلکہ جو کچھ کہا ہے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے تعلیمی افکار و نظریات کے حوالے سے کہا ہے جو وہ آج سے تقریباً ۹۰ رسال قبل مسلمانانِ عالم کی فلاح وصلاح کے لئے تجویز کرچکے ہیں۔ انہوں نے اعلان فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ ایک سال کے اندر اندر درسِ نظامی شروع کررہے ہیں اور اس کے بعد ''تخصص'' کی تجویز پر بھی عمل درآمد ہوگا۔

استقبالیہ کے اختتام پر شاعرِ اہلسنّت مولانا انیس الرحمٰن زید مجدہٗ مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ تمام حاضرین نے کھڑے ہوکر ان کی آواز میں آواز ملا کر سید عالم ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ مفتی امین الاسلام صاحب نے دعا فرمائی بعدہٗ خانقاہ شریف کے مہمان خانے میں ہماری شاندار ضیافت ہوئی۔ بعد میں ضیافت کے دوران مولانا بدیع العالم رضوی صاحب اور مفتی عبید الحق نعیمی زیدہ مجدہٗ نے راقم کو بتایا کہ سریکوٹ شریف پاکستان سے حضرت سید طاہر شاہ صاحب مدظلہٗ کا انجمن رحمانیہ کے صدر (یا سیکریٹری) کے پاس خیریت معلوم کرنے کے لئے فون آیا تھا۔ جب ان کو بتایا گیا کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے صدر جناب مولانا وجاہت رسول قادری صاحب چٹا گانگ غوثیہ کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے ہوئے ہیں اور آج ہم نے ان کو استقبالیہ دیا ہے تو انہوں نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اعلیٰ حضرت کے مشن کا کام کررہے ہیں، مہمانِ گرامی کا خاص خیال رکھنا۔ یہ بات سن کر فقیر کی طبیعت بہت مسرور ہوئی۔ راقم نے سوچا کہ حضرت طاہر شاہ صاحب مدظلہٗ العالی ہم سے کس قدر باخبر ہیں اور مشنِ رضا کے ابلاغ سے ان کو کس قدر دلچسپی ہے۔ اطال اللہ عمرہٗ فقیر کی تقریر کا بحمد اللہ خاطر خواہ اثر ہوا۔ جناب مولانا بدیع العالم رضوی صاحب اور جناب علامہ ڈاکٹر ارشاد احمد بخاری صاحب نے راقم سے فرمایا کہ آپ پاکستان جاکر پہلی فرصت میں ہمیں تنظیم المدارس کا نصاب اور اپنے ادارے کے دستور العمل و مقاصد کے کتابچے ضرور بھیجیں تا کہ اسی نہج پر بنگلہ دیش میں کام آگے بڑھایا جائے۔

جب شام ۳ ربجے جامعہ احمدیہ سنّیہ سے حضرت مفتی امین الاسلام ہاشمی صاحب کے ہمراہ ان کے دولت کدے پر واپس آئے تو بارش دوبارہ شروع ہوچکی تھی۔ راستہ بھر جل تھل کا منظر تھا۔ مولانا شاہد الرحمٰن صاحب نے فرمایا آج آپ آرام فرمائیں کیونکہ دو دن کے بعد سفر درپیش ہے۔ ﴿باقی آئندہ﴾

ہدیۂ تبریک

ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کے ادارتی بورڈ کے معزز رکن جناب پروفیسر محترم دلاور خان صاحب استاذ گورنمنٹ ایلمنٹری کالج آف ایجوکیشن، قاسم آباد کراچی نے پبلک سروس کمیشن حیدر آباد کے پرنسپل پی بی ایس 19 کے انٹرویو میں کامیابی حاصل کی ہے۔ واضح ہو کہ پورے سندھ کے شہری علاقوں کی صرف ایک نشست کے لئے یہ امتحانات ہوئے تھے جس میں سینکڑوں امیدوار شریک ہوئے تھے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب، جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب اور دیگر اراکینِ ادارہ ان کی اس شاندار کامیابی پر پروفیسر دلاور خان صاحب کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا میں مزید ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

ریسرچ فارمیٹ برائے ریسرچ اسکالرز

پیش کردہ: پروفیسر دلاور خان*

ابتدائی صفحات

سرورق	Title
سندِ تحقیق	Acceptance
ہدیۂ تشکر	Acknowledgment
فہرست ابواب	List of Chapters
فہرستِ جدول	List of Tabels

بابِ اول : تعارف

مسئلے کا بیان	Statement of Problems
مقاصد مطالعہ	Objectives of the Study
کلیدی الفاظ کی توضیح	Explanation of the Keywords

باب دوم : متعلقہ ادب کا مطالعہ

متعلقہ ادب کا مطالعہ	Review of the related Literature
مفروضات وقیاسات	Hypothesis and Assumption

باب سوم : منہاجِ تحقیق

آبادی	Population
نمونہ بندی	Sampling
تحقیقی طریقہ کار	Research Procedure
آلاتِ تحقیق	Tools of Research

باب چہارم

فراہمی معطیات	Presentation of Data
تجزیہ معطیات	Analysis of Data

باب پنجم : نتائج کی تعبیریت

نتائج کی تصدیق	Corroborate
سفارشات	Implication
اطلاق	Application
خلاصہ تحقیق	Summary of Research

آخری صفحات : ضمیمہ جات

کتابیات	Bibliography
ریسرچ فارمیٹ کی کاپی	Research Format
محقق/محققہ کا تعارف	Vista

*استاذ گورنمنٹ ایلمنٹری کالج آف ایجوکیشن، قاسم آباد کراچی

تعارف و تبصرہ کتب

تبصرہ نگار: عمّارضیاءخاں

نام کتاب : انوارِامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

مرتب : علامہ سید محمد زین العابدین شاہ راشدی صاحب

ترتیب وتہذیب: مولانا عبدالکریم قادری رضوی اویسی صاحب

ہدیہ : ۳۰۰روپے صفحات : ۵۹۲

سن اشاعت : اکتوبر۲۰۰۳ء ناشر :مکتبۂ امام غزالی، کراچی

تقسیم کار : مکتبۂ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی۔فون:4926110

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی رضی اللہ عنہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) امتِ مسلمہ کی ایک عظیم محسن شخصیت کا نام ہے۔ آپ کی ذاتِ مبارکہ ہمہ جہت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی مسلمہ عبقری شخصیت تھی۔ آپ نے قرآن وحدیث سے ہزار ہا ہزار مسائل استنباط فرما کر امتِ مسلمہ پر وہ احسانِ عظیم فرمایا کہ قیامت تک امتِ مصطفویہ ﷺ ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ نے اس دور کے مقدس بزرگوں سے دین کی باتیں سیکھیں جو دورِ ہمایونی نبوی الف الف التحیۃ علی صاحبہا سے بالکل متصل تھا اس لئے فقہ حنفی کی برکات سے آج آدھی سے زیادہ دنیا مستفیض ہورہی، عرب وعجم کے لاکھوں لاکھ علماء واولیاء آپ ہی کے پیروکار رہے ہیں۔ دیگر ثلاثہ مذاہب، شافعی، حنبلی اور مالکی کے ائمہ کرام بھی آپ کو عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ احکامِ اسلامی پر عمل درآمد کو آسان بنانے اور نت نئے مسائل کے حل کے لئے امام اعظم نے جو بنیادی اصول (کلیات وجزئیات) وضع کئے ہیں اسی کی بنیاد پر ان مذاہب کے ائمہ نے بھی تشریح وتفہیم دین کے کام کو آگے بڑھایا اور یہ حضراتِ گرامی کسی نہ کسی طور پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب امام اعظم قدس سرہٗ کی حیات اور کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر آج کے دور کے جید علمائے اہلسنّت کے مقالہ جات کا خوبصورت گلدستہ ہے، اس کے مطالعہ سے امام اعظم قدس سرہٗ کی جامع شخصیت کی ایک جھلک قاری کے ذہن میں منعکس ومرتسم ہوجاتی ہے۔ پیر طریقت جناب سید محمد زین العابدین راشدی زید مجدہٗ کی یہ کاوش قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ ممدوح محترم کا اہلسنّت کے نامور محقق صاحب تصنیف حضرات میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

نام کتاب : سنتِ مصطفیٰ اور جدید سائنس

مؤلف : مولانا محمد شہزاد قادری ترابی

ناشر : زاویہ پبلشرز، ۶ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، لاہور

سن اشاعت : ۲۰۰۵ء

صفحات : ۱۹۱

ہدیہ : ۱۰۰/روپے

انسان کو رب تعالیٰ نے زندگی کی بیش بہا نعمت سے نواز کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ اس کے گذارنے کے متعدد طریقے ہیں لیکن اصل طریقہ وہی ہے کہ اللہ خالق و مالک کی اس امانت کو اس کے حکم کے مطابق صرف کیا جائے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

(ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اسی لئے کیا ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے)

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَہ

(بیشک رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہی تمہارے لئے سب سے بہتر ہے)

سرکارِ دوعالم ﷺ کی تمام ادائیں مسلمانوں کے لئے زندگی گذارنے کے سنہری اور حتمی اصول ہیں جن کی حقانیت موجودہ سائنس سے بھی روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ مولانا شہزاد قادری ترابی زید مجدہٗ نے سیدعالم ﷺ کی ایک سو بارہ (۱۱۲) سنتوں کی جدید سائنسی تحقیقات سے حقانیت ثابت کی ہے۔

برسوں اور صدیوں کی تحقیق کے بعد جن نتائج پر آج سائنسدان پہونچے ہیں وہ ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ پر چودہ سو سال قبل منکشف تھے۔ نئے اسلوب کے ساتھ لکھی ہوئی یہ کتاب طلباء وعلماء اور عوام تینوں کے لئے یکساں دلچسپی کا باعث اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

دینی، ملّی و تحقیقی خبریں

☆☆☆ فرقان الحق کے خلاف علمی وعوامی تحریک چلائی جائے گی۔ مسلم دانشوروں کا فیصلہ ☆☆☆

(رپورٹ: غلام مصطفیٰ، کلکتہ، انڈیا): ممتاز اسلامی اسکالر ڈاکٹر پروفیسر ایم. ایس خان کی تحریک پر فتنۂ جدید ''فرقان الحق'' کی اشاعت کے ذریعہ شیطانی منصوبے کو بے نقاب کرنے کے عملی اقدامات پر مشورہ کے لئے چند دانشوروں کی ایک ابتدائی نشست ڈاکٹر ایم ایس خان صاحب کی رہائش گاہ پر ہوئی جس میں پروفیسر خلیل عباس صدیقی، عطاء الرحمٰن، ایاز احمد، غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر ہلال الدین وغیرہ صاحبان شریک ہوئے۔ اس نشست کی صدارت جناب سید علی نے کی۔ ڈاکٹر ایم۔ ایس خان صاحب نے زیرِ بحث موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید کے ذریعہ بڑے پیمانے پر قبولِ اسلام کی لہر سے عیسائیوں اور یہودیوں میں تشویش، اور خوف کی نفسیات پیدا ہوگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لہر پر روک لگانے کے لئے اس فتنہ انگیز کتاب کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ ڈاکٹر خلیل عباس صدیقی صاحب نے مشورہ دیا کہ قرآن مجید کا زیادہ سے زیادہ تعارف ویب سائٹ پر کیا جائے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوجائے۔ عطاء الرحمٰن صاحب فرقان الحق کے چند ابواب کا پرنٹ آؤٹ ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر کے لائے تھے، اس کے بعض حصہ کو پڑھا گیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی عظمت، نبی کریم ﷺ کے کردار اور اسلام کی شرمناک تحقیر و توہین کی گئی ہے۔

جناب سید علی صاحب نے فرقان الحق کو شیطانی کلمات (Stanic Verses) کے مماثل قرار دیتے ہوئے اسے انتہائی اشتعال انگیز اور مذموم کتاب سے تعبیر کیا اور کہا کہ اس کا بروقت نوٹس لیا جانا ضروری ہے ورنہ قرآن مقدس سے بے تعلق مسلمانوں اور نومسلموں کے گمراہ ہوجانے کا خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا اسلام پر ۱۴/ برسوں میں یہ سب سے بڑا حملہ ہے اور مسلمانوں کو اس چیلنج کو سنجیدگی سے قبول کرنا چاہئے اور قرآن مجید کا پیغام زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہئے تاکہ فرقان الحق کی شعبدہ بازی بے نقاب ہوجائے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ فرقان الحق کے تعلق سے عوام میں بیداری کی تحریک چلائی جائے۔ پریس کانفرنس کے ذریعہ اس فریب کا پردہ چاک کیا جائے اور مسلم ممالک کے سفارت کاروں کو خطوط لکھے جائیں کہ وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے حسی کے ساتھ کیوں بیٹھے ہیں۔ ویب سائٹ پر قرآن مقدس کے تعارف اور اس کے الٰہی پیغامات و تعلیمات پر مشتمل لٹریچر تیار کیا جائے اور امریکہ سے، جو اس کتاب کا اصل محرک ہے۔ مسلمانوں سے معافی مانگنے اور فرقان الحق کی اشاعت فوراً بند کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔

ڈاکٹر ایم ایس خان صاحب کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں قرآن اسٹڈی سینٹر قائم ہیں۔ کولکاتا میں بھی ایک ادارہ ''قرآن اسٹڈی اینڈ ریسرچ سینٹر'' قائم کیا جائے۔ ان تمام تجاویز پر تمام شرکاء نے اتفاق کیا۔ طے پایا کہ جلد ہی ممتاز علماء ملّی رہنماؤں اور دانشوروں کی ایک مشاورتی میٹنگ بلائی جائے گی اور عملی لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔ فرقان الحق نے جعل سازی کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے بعض قرآنی سورتوں کے نام بعینہ استعمال کئے ہیں لیکن ان کا متن قطعی غیر قرآنی ہے۔ سورۂ فاتحہ، سورۂ نساء، سورۃ مؤمنون، سورۃ نور، سورۃ طلاق، سورۃ توبہ، سورۃ فرقان، سورۃ انبیاء، سورۃ والضحیٰ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فرقان الحق کے ابواب کو پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتنے بھونڈے طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی نقل اتارنے کی شیطانی کوشش کی گئی ہے۔ جو حضرات فرقان الحق کی شرانگیزی کو ویب سائٹ پر دیکھنا چاہیں وہ ویب سائٹ کا پتہ نوٹ کرلیں:

www.islam-exposed.org/furqan/contents.html

(بشکریہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کولکتہ۔ بدھ ۱۱/ مئی ۲۰۰۵ء)

نوٹ: ''معارفِ رضا''، ''فرقان الحق'' نامی شیطانی کتاب کو اصل قرآن مجید دینے کی پُرزور مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ حکومتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان اس کا فوری نوٹس لیتے ہوئے امریکی حکومت سے سخت ترین احتجاج کرے اور او۔ آئی۔ سی کے تمام ممبر اسلامی ممالک سے مل کر امریکی حکومت سے اس کی اشاعت فوراً بند کرنے کا مطالبہ کرے۔

دور و نزدیک سے---

از جانب: مولانا محمد افروز قادری، (پچھم محلّہ، چریا کوٹ):

وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

شعر مذکورہ کے تعلق سے جس وقت ماہنامہ ''جام نور'' کا نوائے قلم ڈاکٹر اسرار احمد کے وسعتِ مطالعہ، مبلغ علم اور گروہی عصبیت پر تیشۂ غضب بن کے گرا تھا اس وقت سے اس شعر کی تحلیل میں بہت سی فکریں عازم سفر ہوگئی تھیں۔ انگلی کٹا کے شہیدوں میں نام لکھوانے کی مانند اس تعلق سے میں نے بھی کچھ نقوش رولنے شروع کئے تھے، ابھی ٹھیک سے میرا مضمون تکمیلِ آشنا بھی نہ ہو پایا تھا کہ ''معارفِ رضا'' کی چوبیسویں جلد کا آخری شمارہ تاخیر تمام کی تمام سرحدیں توڑ کر فروری کے اوائل میں نظر افروز ہوا۔ مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر صاحب آپ کے اداریہ میں بھی دو دو ہاتھ سے دوچار ہوئے ہیں۔

میں چاہوں گا کہ اس شعر کی تفہیم و تحلیل کے سلسلہ میں میری کوششوں کو ''معارفِ رضا'' جیسے معیاری شمارہ میں جگہ ملے تاکہ سلوک و معرفت کے دانائے راز حضرت آسی غازی پوری کا مذکورہ شعر شکوک و ابہام کی اندھیری سے نکل کر یقین و ایمان کے بے غبار اجالے میں آجائے اور اہلسنّت خصوصاً رضا شناسوں کی الجھنیں بھی دور ہوں۔

اہلِ علم اور عاشقانِ رضا کی قدیم بستی ''چریا کوٹ'' میں ''نعمانی اکیڈمی'' نامی ایک تنظیم ہے جہاں علم و ادب کے رسیا آتے رہتے ہیں۔ معارف رضا اگر ہماری اکیڈمی پہنچا تو یقین جانیں کہ اپنے مستحقین تک پہنچا۔

از جانب: محمد سلیم چودھری، (تربیلا ڈیم، ہری پور):

معارف رضا کا معرکۃ الآراء سلور جوبلی نمبر شائع کرنے پر بہت بہت مبارک ہو۔ سرپرست اعلیٰ حضرت قبلہ مسعود ملت دامت برکاتہم القدسیہ اور جملہ اراکین و معاونین کی خدمت میں بھی ہدیۂ تبریک پیش کردیں۔ شیخ الاسلام، مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی خدماتِ جلیلہ پر سیر حاصل مواد پڑھنے کو ملے گا۔ ماشاء اللہ

از جانب: پروفیسر محمد منیر الحق کعبی، (محلّہ گڑھی احمد آباد، گجرات):

امید واثق ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی عنایاتِ جلیلہ سے سبھی اربابِ معارفِ رضا خوش و خرم ہوں گے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے مکارم و فضائل سے مملو جریدۂ فریدہ باصر نواز ہوا۔ کھولا تو ہر باب سے نسیم چمنستانِ رضا، مشام جاں میں عطر بیزی کرتی چلی گئی۔ گلزارِ علومِ رضا سے شمیم معارف، قلب و جان اور فکر و شعور کو وجدانی مسرتوں سے کیف آشنا کرگئی۔

فقیر، معارف رضا کے ربع صدی تک سفر کی اتمام پذیری اور اس ساعتِ سعید پر زیب و زینت اور وقارِ نقد و تحقیق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس قدر ضخیم سلور جوبلی شمارہ کی منظم ترتیب و پیش کش پر مبارکباد ارسالِ خدمت کرتا ہے۔ معارفِ رضا، خورشیدِ آثارِ رضا کی تابانیاں لے کر آفاق علم و دانش پر ہمیشہ جگمگاتا رہا اور جہانِ عقائد و اعمال میں اترے اندھیروں کو نورِ عشق و محبت رسول ﷺ کی ضوفشانیوں سے دور کرتا رہا۔

ایک خبر کی وضاحت

گذشتہ دنوں مجلّہ ''فقہ اسلامی'' (شمارہ مئی/ جون۔ نمبر۳،۴۔ صفحہ نمبر ۷، ۸) کے ادارتی نوٹ ''القابات کی چھینا جھپٹی اور شوقِ خطابات'' کے تحت ماہر رضویات قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید مجدہٗ کے متعلق یہ کلمات شائع ہوئے:

''اگر اپنی مرضی شامل نہ ہو تو کیا زبردستی یا بالجبر بھی کسی کو کوئی القاب دے سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض کسی کے بارے میں ایسے القاب استعمال کئے تو کیا اس کی تردید نہیں کی جاسکتی؟ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی شخصیت سے کون واقف نہیں؟ حال ہی میں انہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے منعقدہ ایک تقریب میں مجدد وقت کہا گیا مگر حضرت نے ماہنامہ معارف رضا کو خط لکھ کر اس کی تردید فرمائی۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔''

اس خبر کی اشاعت کے بعد ہمارے پاس استفسارات آنا شروع ہوگئے کہ ان کی تردید کو آپ شائع کیوں نہیں کررہے ہیں؟ ہم اپنے تمام کرم فرماؤں کو جو اس سلسلہ میں ہم سے استفسار کررہے ہیں، بتادینا چاہتے ہیں کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا اور معارف رضا صرف فکر و مشنِ رضا کا ترجمان اور علمبردار ہے۔ رضویات پر تحقیق اور تصنیف کے حوالے سے ہم تمام محترم محقق حضرات کا احترام وادب ملحوظ رکھتے ہیں لیکن کسی کے اپنے ذاتی عمل اور معمولات میں نہ ہم دخل اندازی کرتے ہیں نہ اس کی اشاعت کرتے ہیں۔

اس تناظر میں قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید عنایتہٗ کو مجدد قرار دینے کے اعلان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معارف رضا کے کسی بھی شمارے میں ان کے اسم گرامی کے آگے مجدد کا لاحقہ کبھی تحریر نہیں کیا گیا۔ رہ گئی جہاں تک معاصر ''فقہ اسلامی'' کی خبر تو اس سلسلہ میں ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام ربانی کانفرنس منعقدہ ۱۰ اپریل ۲۰۰۵ء کے بعد (جس میں ڈاکٹر صاحب کے مجدد عصر ہونے کا اعلان کیا گیا) ہمیں ان کی جانب سے کوئی تحریری تردید موصول نہیں ہوئی۔ مجلّہ ''فقہ اسلامی'' کو مغالطہ ہوگیا ہے، نومبر ۲۰۰۳ء کے ایک خط کی اشاعت کو تازہ اشاعت سمجھا گیا ہے اور غالباً اسی بنیاد پر یہ خبر شائع ہوگئی ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جو ادارہ یا ماہنامہ اپنی تصانیف اور تحریروں میں انہیں مجددِ عصر قرار دے رہا ہے، مستفتی حضرات کو چاہئے کہ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ان سے رجوع کریں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا یا اس کا ترجمان ''معارفِ رضا'' ایسے کسی استفسار کے جواب کا پابند نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اس لئے ہم سے اس سلسلہ میں کوئی مراسلت نہ کی جائے۔ **(مدیر)**

وفیات

حافظ آباد (رپورٹ: محمد یوسف حضروی) جماعت اہلسنّت ضلع حافظ آباد کے صدر، جے یو پی کے راہنما، جامع مسجد نور کے خطیب اور دارالعلوم چشتیہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم استاذ العلماء ابوالمنصور مولانا محمد نذیر احمد نقشبندی جمعہ ۱۰ رجون کو حرکتِ قلب بند ہونے سے رحلت فرماگئے۔ آپ کا تعلق نواحی گاؤں پنڈی بادرے کے علمی و روحانی طبی خاندان سے تھا۔ آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔ پیر سید محمد اکبر علی شاہ علی پور سیداں سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد نائب رضا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری کے ہاں جامعہ منظرِ اسلام سے دینی علوم سے فراغت پائی اور حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی وزیرآباد سے دورۂ قرآن کیا۔ تحریک ختم نبوۃ ۱۹۷۴ء، تحریکِ نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں جاندار مجاہدانہ کردار ادا کیا، قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ادارے کے اراکین اس حادثۂ جانکاہ پر ان کے پس ماندگان سے دلی تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قومی سوچ اپنائیے
پاکستانی مصنوعات کو فروغ دیجیے

مشروبِ مشرق
روح افزا
سے ٹھنڈک، فرحت اور تازگی پائیے

معیار ہر قیمت پر
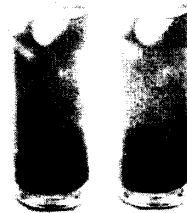
راحتِ جاں رُوح افزا مشروبِ مشرق

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

مدینۃ الحکمہ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی
شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔